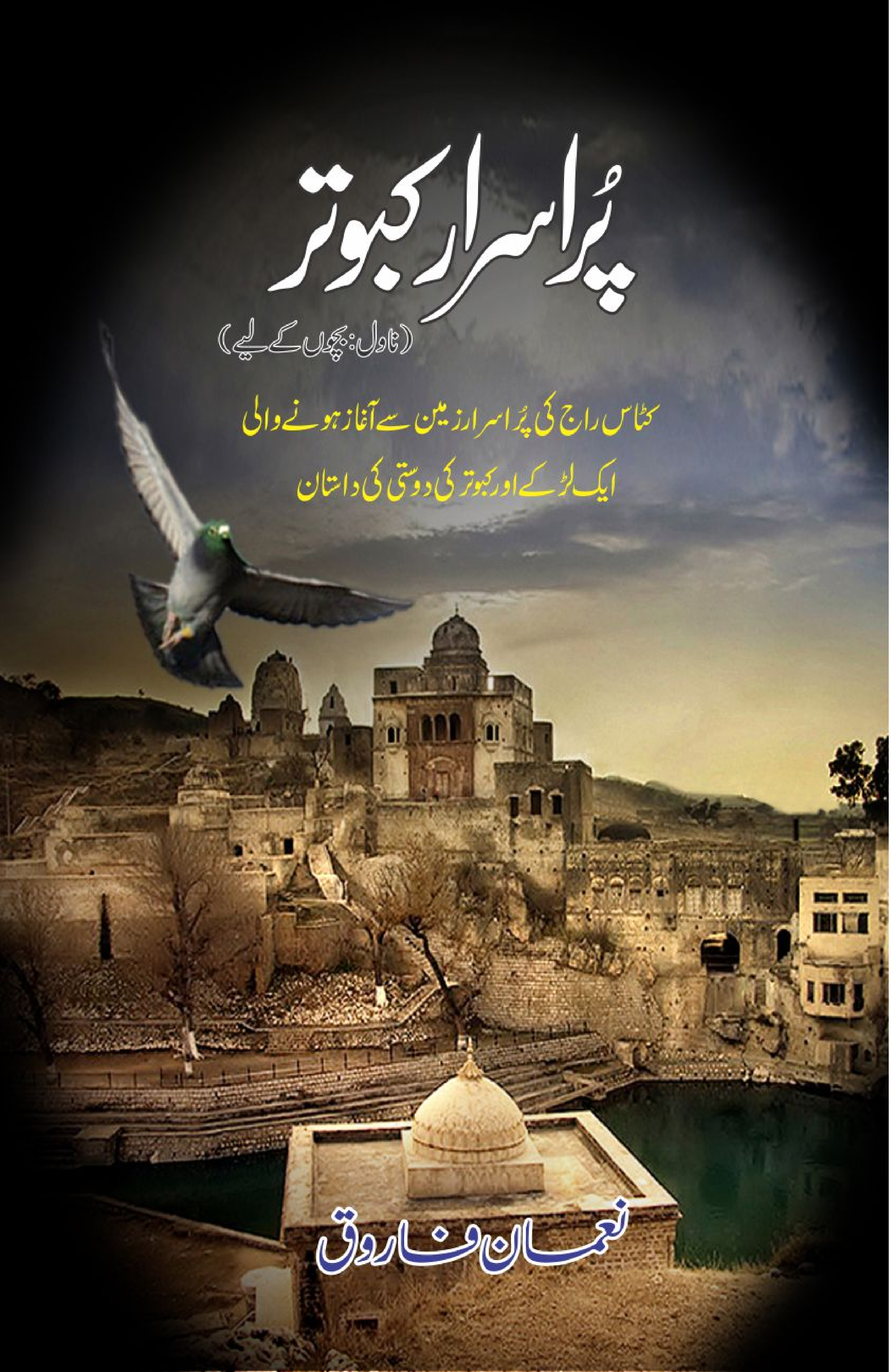


# پُراسرار کبوتر

(ناول: بچوں کے لیے)

کٹاس راج کی پُراسرار زمین سے آغاز ہونے والی
ایک لڑکے اور کبوتر کی دوستی کی داستان

نعمان فاروق



نعمان فاروق کا ناول پر سرار کبوتر اتنا دلچسپ اور مزیدار ہے کہ اسے پڑھتے پڑھتے میں بھی ایک کبوتر ہو گیا اور کٹاس راج کے تالاب کے کنارے بیٹھ کر غٹر غوں غٹر غوں کرنے لگا۔ مجھے امید ہے نعمان پاکستان کے دیگر تاریخی آثار کے حوالے سے بھی ایسے ناول لکھیں گے تا کہ بچے اپنے تاریخی ورثے سے آگاہ ہو سکیں۔

**مستنصر حسین تارڑ**

اپنے موضوع کے اعتبار سے، پراسرار کبوتر، ایسا منفرد ناول ہے، جس کی مثال بچوں کے ادب میں کم کم ملتی ہے۔ کٹاس کا علاقہ اپنے مخصوص تہذیبی تناظر میں، اپنے اندر ایک پراسراریت لیے ہوئے ہے، اور اسی پراسرار پس منظر میں، ایک لڑکے اور کبوتر کی دوستی کے گرد گھومتے اس ناول میں، کہانی انتہائی دل چسپی سے آگے بڑھتے ہوئے اپنے انجام تک پہنچتی ہے۔

نعمان فاروق، کا نام ادبی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اپنے حمدیہ اور غزلیہ شعری مجموعوں سے وہ ناقدین کی توجہ حاصل کر چکا ہے۔ بچوں کے لیے یہ اس کی پہلی کوشش ہے، جو انتہائی کامیاب قرار دی جا سکتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ ناول لکھتے ہوئے، اس کے پیشِ نظر مولانا آزاد سے منسوب وہ مشہور قول: ''بچوں کے لیے لکھنا، بچوں کا کھیل نہیں'' ضرور تھا۔ سسپنس اور تحیر سے بھرپور اس ناول میں، بچوں کی ذہنی استعداد، ان کی نفسیات اور ان کی دل چسپیوں سمیت، ان تمام عناصر کا بہ طور خاص خیال رکھا گیا ہے، جو بچوں کے لیے از حد ضروری تصور کیے جاتے ہیں۔ ناول کی زبان، سادہ جملے، کہانی کا تسلسل اور ہر قدم پر چونکا دینے والے واقعات، بچوں کو یہ ناول کو ایک ہی نشست میں پڑھنے پر مجبور کر دیں گے۔

**ریاض عادل**

کتاب
Kitab
PUBLICATIONS
PUBLISHERS | PRINTERS | DISTRIBUTORS
41 MZ Floor, Gulberg Arcade,
Main Market Gulberg II Lahore, Pakistan.
Call # 92 42 35714448, +92 333 4249342
Website: www.kitabpublications.com
Email: kitabpublications@gmail.com

9 789697 845002

# پُراسرار کبوتر (ناول: بچوں کے لیے)

نعمان فاروق

# پُراسرار کبوتر (ناول : بچوں کے لیے)

نعمان فاروق

کٹاس راج کی پُراسرار زمین سے آغاز ہونے والی
ایک لڑکے اور کبوتر کی دوستی کی داستان

کتاب
Kitab
PUBLICATIONS

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | پُراسرار کبوتر (ناول) |
| مصنف | : | نعمان فاروق |
| اہتمام | : | اعظم ملک |
| اشاعت ہفتم | : | جولائی 2023 |
| تعداد کتب | : | 1000 |
| کمپوزنگ | : | عابد محمود |
| ٹائٹل | : | سجاد احمد |
| مطبع | : | مکتبہ جدید پریس، لاہور |

قیمت: 170 روپے

کتاب
Kitab
PUBLICATIONS
PUBLISHERS | PRINTERS | DISTRIBUTORS
41 MZ Floor, Gulberg Arcade,
Main Market Gulberg II Lahore, Pakistan.
Call # 92 42 35714448, +92 333 4249342
Website: www.kitabpublications.com
Email: kitabpublications@gmail.com

# انتساب

بچوں سے محبت کرنے والوں کے نام

جس گھر سے اُبھرتی نہیں بچوں کی صدائیں
سنتے ہیں کہ اُس گھر میں فرشتے نہیں آتے
(نعمان فاروق)

# اظہارِ تشکر

میں ان بچوں کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں جن کی محبت نے میرے اندر بچوں کے لیے لکھنے کے جذبے کو اُبھارا۔

مدحت رضا سلیمی، مامون احمد، عاکف ندیم محمد نور، اذکیٰ شبیر، ایمن خورشید، محمد فارقلیط، ایمن بیگ، عبداللہ توقیر، فراز حبیب، زینب معاذ، عیشال نور، ارتضا آصف، علینہ ملک، امل چوہدری

# نعمان فاروق

**مطبوعات:** معراجِ تخیل (حمدیہ کلام)
دعائے نیم شب (حمدیہ کلام)
سورج کی چھاؤں (غزل)
خوشبو کی چاپ (غزلیں/نظمیں)
غزل زندہ رہے گی (تحقیق)
نظموں کا در کھلتا ہے (تحقیق)
روح الاعداد (علم الاعداد)
پُراسرار کبوتر (ناول: بچوں کے لیے)
پچھل پیری (ناول: بچوں کے لیے)
کفن چور (ناول: بچوں کے لیے)

**رابطہ:** ڈاک خانہ خاص وعولہ،
تحصیل چوآسیدن شاہ،
ضلع چکوال

موبائل/واٹس ایپ نمبر: **0333-5313131**

ای میل: nomanfarooq241@gmail.com

## (1)

فہد کے لیے آج کا دن بہت خوشی کا دن تھا۔اس کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ آج اسے اپنے گزشتہ کئی ماہ کی محنت کا پھل ملا تھا۔مجبوری کچھ ایسی تھی کہ وہ اپنی اس خوشی کا اظہار کسی سے نہیں کر سکتا تھا۔وہ بار بار آئینے کے سامنے جاتا اور اپنے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے کی خود کو مبارک باد دیتا۔واقعہ کیا تھا بس ایک نا قابل یقین معمہ تھا، جسے کئی مہینوں کی کوششوں کے بعد حل کر لیا گیا تھا۔

فہد کے نانا کا گھر اس کے پڑوس ہی میں تھا۔یوں تو فہد کے نانا کو اپنے تمام پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے بہت محبت تھی، لیکن فہد کے ساتھ ان کا لگاؤ کچھ زیادہ ہی تھا۔ فہد بھی نانا کے پاس دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ وقت گزارتا۔نانا کے پاس کتابوں کی بہت بڑی لائبریری تھی۔جس میں تقریباً دنیا کے ہر علم کے حوالے سے کتابیں موجود تھیں۔فہد کے لیے، جو اس وقت آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا، ان کتابوں کا مطالعہ، قبل از وقت تھا، لیکن فہد کے نانا اکثر اسے، اس کی ذہنی استطاعت کے مطابق مختلف کتابوں کے بارے میں بتاتے رہتے۔نانا کے کمرے کے ایک کونے میں لکڑی کا ایک پرانا صندوق رکھا ہوا تھا، جس میں موجود کتابوں تک فہد کی رسائی نہیں تھی۔

فہد نے بہت مرتبہ نانا سے ضد کی کہ وہ اس صندوق میں رکھی کتابیں دیکھنا چاہتا ہے لیکن

نانا ہمیشہ انکار کر دیتے ،وہ اسے سمجھاتے کہ ابھی ان کتابوں کے دیکھنے اور سمجھنے کا وقت نہیں آیا، جب وہ بڑا ہو جائے گا تو وہ ضرور اسے ان کتابوں تک رسائی دیں گے ۔فہد کے نانا ہمیشہ اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیتے کہ ان کے بعد یہ ساری کتابیں اسی کی ہیں وہ اکثر خاندان کے لوگوں سے اس بات کا اظہار کرتے کہ میرے بعد فہد ہی میری کتابوں کا وارث ہوگا۔

وقت اپنی معمول کی رفتار سے گزرتا رہا۔ایک رات جب فہد سو رہا تھا تو شور سے اس کی آنکھ کھل گئی ۔اسے اپنی امی کے رونے کی آواز آئی ،جو نانا جان کے گھر جانے کی بات کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں ۔فہد کا چھوٹا بھائی بھی امی کے ساتھ جا رہا تھا۔فہد بھی نیم غنودگی کی حالت میں ان کے پیچھے چل پڑا ۔اس نے دیکھا کہ اس کے خاندان والے نانا جان کو نیم بے ہوشی کی حالت میں گاڑی میں ڈال رہے ہیں ۔اس نے کسی کو کہتے سنا کہ نانا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے ۔

اگر چہ اسے ہارٹ اٹیک کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں لیکن اسے اتنا ضرور پتہ تھا کہ یہ کوئی بہت بڑی بیماری ہے جو اس کے نانا کی جان بھی لے سکتی ہے ۔اس نے نانا کے ساتھ اسپتال جانے کی ضد کی لیکن تمام تر ضد کے باوجود اسے ساتھ نہ لے جایا گیا۔وہ ان لوگوں کے ساتھ ،جو نانا کے ساتھ اسپتال نہیں گئے تھے ، نانا کے گھر کے اندر آ گیا۔گھر کے اندر اور بھی بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ۔لوگوں کی بھیڑ میں اسے اپنی طبیعت بھاری محسوس ہونے لگی اور اس کا دم گھٹنے لگا جس سے گھبرا کر وہ اٹھا اور نانا کے کمرے کی طرف چل دیا۔اس نے دیکھا کہ نانا کی چارپائی جس پر وہ سوتے تھے ویران پڑی ہے اور ان کا بستر شکنوں سے پُر ہے ۔اس نے نانا کے کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔وہ تقریباً روزانہ ہی ان کے کمرے میں آیا کرتا تھا لیکن آج اسے یہ کمرہ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔کمرے میں ایک

عجیب سا بوجھل پن تھا، جو اسے تھکاوٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

اچانک فہد نے ایک ایسا منظر دیکھا کہ اس کی تمام تھکاوٹ اور بوجھل پن غائب ہو گیا۔ ایک لمحے کو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ کونے میں رکھا ہوا کتابوں والا وہ پرانا صندوق جسے ہمیشہ تالا لگا رہتا تھا، کھلا پڑا ہوا ہے۔ صندوق کا اوپر والا پٹ اگر چہ بند تھا لیکن تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ شاید نانا جان طبیعت کی خرابی کی وجہ سے تالے کو دبا کر بند نہیں کر سکے اور وہ کھلا رہ گیا تھا۔ فہد نے موقع غنیمت جانا اور صندوق کھول کر اس میں رکھی کتابیں دیکھنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ صندوق کھولتے ہی ایک عجیب سی خوشبو نے کمرے کو گھیر لیا، یہ وہی مخصوص مہک تھی جو پرانی چیزوں سے اکثر آتی ہے۔ صندوق کے اندر رکھی تمام کتابیں بہت خستہ حالت میں تھیں اور بیشتر کتابوں کے ابتدائی صفحے پھٹے ہوئے تھے۔ فہد ایک ایک کر کے کتابوں کو سرسری طور پر دیکھنے لگا۔ وہ ایک کتاب اٹھاتا، اسے سرسری دیکھتا اور پھر اسے رکھ کر دوسری کتاب اٹھا لیتا۔ ایک کتاب جس کی جلد اور ابتدائی صفحات مکمل طور پر غائب تھے، فہد نے اٹھائی۔ اس کتاب میں کوئی عجیب سی کشش تھی۔ وہ اسے کھول کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ وہ مٹی مٹی عبارت پر غور کر ہی رہا تھا کہ اسے اپنی ممانی کی آواز آئی۔ ساتھ ہی کسی کے قدموں کی چاپ۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی کمرے کی طرف آ رہا ہے۔ فہد نے جلدی سے صندوق بند کیا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب فوراً اپنی قمیص کے اندر چھپا لی۔ ممانی کمرے میں داخل ہوئیں اور فہد سے کہنے لگیں:

''بیٹا گھر جاؤ تمھارے چھوٹے بہن بھائی گھر میں اکیلے ہیں۔''

فہد ممانی کی یہ بات سن کر گھر کی طرف جانے کے ارادے سے کمرے سے نکل پڑا۔ فہد نے ممانی کی آواز سنتے ہی لاشعوری طور پر صندوق کو تالا لگا دیا تا کہ کسی اور کی رسائی اس

صندوق تک نہ ہونے پائے۔

گھر پہنچ کر فہد پہلے تو سیدھا اپنی بہن کے کمرے میں گیا۔اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس کے بہن بھائی دنیا سے بے خبر سو رہے ہیں۔وہ ساتھ والے کمرے میں چلا آیا اور بستر پر بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرنے کی نیت سے اس نے جوں ہی کتاب کھولی، اسے مایوسی کا شدید جھٹکا لگا۔

کتاب کسی ایسی زبان میں تھی جو فہد کے لیے بالکل اجنبی تھی اور وہ اس کا ایک حرف بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔فہد ٹھیک طرح سے یہ بھی نہ سمجھ پایا کہ وہ کتاب کس زبان میں ہے لیکن کچھ صفحے الٹنے کے بعد اس نے دیکھا کہ کتاب میں کہیں کہیں نانا جان نے اپنے ہاتھ سے کچھ حاشیے لکھے ہوئے ہیں۔انھی حاشیوں کے ذریعے فہد کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب کسی ہندو پنڈت کی لکھی ہوئی ہے۔کہیں کہیں کچھ ناقابلِ یقین پیش گوئیوں اور پُر اسرار چیزوں کا ذکر تھا۔ ایک صفحے پر کبوتر کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس کے اوپر نانا جان کے ہاتھ سے کوئی عبارت لکھی ہوئی تھی۔فہد نے بہ مشکل اس عبارت کو پڑھا: ''نیلی آنکھیں، نیلی چونچ، نیلے ناخن، وزن عام کبوتر سے بہت زیادہ، انسانوں کی طرح دماغ، انسانوں کی طرح بولنا۔۔۔آگے کچھ اور باتیں بھی لکھی ہوئی تھیں لیکن فہد نے انھیں پڑھنا مناسب نہ سمجھا، اسے دکھ ہوا کہ اس کے ہاتھ جو کتاب لگی وہ ایک ایسی زبان میں ہے، جسے وہ پڑھ نہیں سکتا اور نانا جان نے کتاب کے حاشیے پر جو باتیں لکھیں وہ اسے ناقابلِ یقین محسوس ہوئیں۔سو فہد کی اس کتاب میں دل چسپی ہی ختم ہوگئی۔

فہد بستر پر دراز ہوگیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا اسے پھر سے نانا جان کی بیماری کا خیال آیا اور اس کی نیند اڑ گئی۔وہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا اور اسی دوران صبح ہوگئی۔

جب اس کی امی اسے اور اس کے چھوٹے بہن بھائیوں کو سکول بھیجنے کے لیے گھر آئی تو فہد نے سکول جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ آج نانا جان کے پاس اسپتال جائے گا۔امی نے پہلے اسے ڈانٹا اور جب وہ اپنی ضد پر اڑا رہا تو امی نے اس کی بات مان لی اور اسے چھوڑ کر چھوٹے بہن بھائیوں کو سکول بھیجنے کی تیاری کرنے لگیں۔فہد نے موقع غنیمت جانا اور نانا جان کے گھر جا کر وہ کتاب، چابی ڈھونڈ کر، واپس اسی صندوق میں رکھ دی۔ابھی وہ کوئی اور کتاب اٹھانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اسے رونے کی آواز آئی۔وہ بھاگا بھاگا مکان کے دوسرے حصے کی طرف گیا۔جہاں کچھ لوگ نانا جان کی چارپائی ایمبولینس سے اتار رہے تھے۔نانا جان کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی میت اسپتال سے واپس گھر لائی گئی تھی۔فہد کی تو جیسے دنیا ہی اجڑ گئی تھی،فہد کے نانا جو اس کے نانا ہی نہیں اس کے بہترین دوست بھی تھے، اب اس دنیا میں نہیں تھے۔

نانا جان کے سوگ میں کچھ دن تو معمولات زندگی،اپنے روزمرہ کے معمولات سے ہٹے رہے لیکن قانونِ فطرت کے مطابق پھر سے اپنی پرانی ڈگر پر واپس آنے لگے،یہ تبدیلی صرف معاملات کی حد تک تھی کسی کے دل میں نانا جان کے چلے جانے کا غم کم نہیں ہوا تھا۔

نانا جان کے انتقال کو ابھی کچھ ہی ہفتے گزرے ہوں گے کہ فہد کا سامنا ایک اور بری خبر سے ہوا۔نانا جان کا وہ کمرہ جس میں کتابوں کا ذخیرہ تھا اس میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگ گئی۔نانا جان کا یہ مکان ابھی ایک سال پہلے ہی بنا تھا۔فہد کو یاد تھا کہ نانا جان نے مکان کی تعمیر شروع ہونے سے پہلے اپنے بیٹوں کو دو ہی نصیحتیں کی تھیں پہلی یہ کہ مکان بناتے وقت گلی کی طرف ایک انچ بھی مکان کو نہ بڑھایا جائے بلکہ ہو سکے تو ایک دو فٹ جگہ گلی کی طرف چھوڑی جائے تاکہ راہ چلتے لوگوں کے لیے آسانی ہو۔نانا جان اس عمل کو حقیقی صدقہ

جاریہ کہتے۔ دوسری نصیحت جوکہ نانا جان نے مکان کی تعمیر سے پہلے کی وہ بجلی کی ترسیل کے لیے گھر کے اندر اچھی تاروں کا استعمال تھا۔

نانا جان اس عمل کی وجہ یہ بتاتے کہ اچھی تاروں کے استعمال سے ایک تو بجلی کی بچت ہوتی ہے اور دوسرا شارٹ سرکٹ کا ڈر نہیں رہتا۔ ان کے نزدیک بجلی کی بچت کرنا ذاتی سے زیادہ ملکی فائدے کے لیے ہونا چاہیے۔ نانا جان کے بیٹوں نے ان کی پہلی نصیحت پر تو عمل کیا اور نیا مکان گلی سے دو فٹ راستہ چھوڑ کر بنایا، جس کی وجہ سے گلی مزید کشادہ ہوگئی لیکن نانا جان کی دوسری نصیحت پر ٹھیک طرح سے عمل نہیں ہوا اور آج اسی کے نتیجے میں شارٹ سرکٹ ہوا، جس کی وجہ سے نانا جان کے کمرے میں آگ لگی۔ آگ پر جلد قابو پا لیا گیا لیکن کتابوں کا ایک بڑا حصہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ وہ صندوق بھی جل گیا تھا جس میں نایاب کتابیں تھیں۔

گھر والوں کے نزدیک نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا اور آگ کو پھیلنے سے روک دیا گیا لیکن فہد کو اس بات کا اندازہ تھا کہ کتنا بڑا نقصان ہوا ہے، وہ کتابیں جنھیں حاصل کرنے کے خواب وہ بچپن سے دیکھتا چلا آیا تھا، راکھ کا ڈھیر بن چکی تھیں خصوصاً وہ صندوق جس میں نایاب کتابیں تھیں۔ اسے ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ نجانے اس صندوق کے اندر کیسی کیسی نایاب کتابیں رکھی ہوئی ہوں گی۔ دکھ اور پچھتاوے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اسے سب سے زیادہ غصہ خود پر تھا کہ اس نے صندوق سے نکالی گئی کتاب واپس صندوق میں کیوں رکھی۔ کیا تھا کہ وہ اس کو پڑھ نہیں پا رہا تھا، اسے بعد میں کسی سے پڑھوایا جا سکتا تھا۔ آخر نانا جان نے بھی تو اس زبان کو سمجھنے کے لیے کسی سے مدد لی ہوگی۔ خیر اب کیا ہو سکتا تھا سوائے افسوس کے، نانا جان کی وفات کے غم کے ساتھ فہد نے اس غم کو بھی ہمیشہ کے لیے دل میں

جگہ دے دی۔

فہد کا گاؤں ''وعولہ'' ایک خوب صورت وادی کہون میں واقع تھا۔گاؤں پہاڑ کی ایک چوٹی پر تھا جس کی وجہ سے وہ وادی کے دوسرے دیہاتوں سے منفرد نظر آتا تھا۔اسی وادی میں ہندوؤں کا مقدس مقام کٹاس راج بھی تھا۔کٹاس میں موجود ہندوؤں کے اس مقدس مقام کے حوالے سے بہت سی پر اسرار باتیں مقامی آبادی میں مشہور تھیں لیکن فہد نے کبھی اس بات کا اثر نہیں لیا۔فہد کا سکول کٹاس کے مندروں کے ساتھ ہی واقع تھا۔فہد اکثر بریک ٹائم اور فارغ اوقات میں کٹاس کے مندروں کے بیچ واقع قدرتی چشمے پر بنے تالاب پر بیٹھا رہتا تھا جو ابھی حال ہی میں خشک ہوگیا تھا۔تالاب کے خشک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وادی میں پہلے تو سیمنٹ فیکٹریوں نے زبردستی لوگوں کی زمین پر قبضہ کیا اور آہستہ آہستہ تمام جنگل کاٹنا شروع کر دیے جس کی وجہ سے وادی میں بارشیں معمول سے کم ہونا شروع ہوگئیں۔دوسرا سیمنٹ فیکٹریوں کے بے تحاشا پانی کے استعمال کی وجہ سے زیرزمین پانی کی سطح نیچے چلی گئی جس کی وجہ سے کٹاس کا تالاب بھی خشک ہوگیا۔سال بھر میں ہندو ایک بار دوسرے ملکوں سے کٹاس کے مندروں کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ہندوؤں کے وہاں آنے پر مقامی آبادی بھی ان کے ساتھ گھل مل جاتی اور ان کی خاطر تواضع کرتی۔سال کے باقی مہینے مندر سرکاری تحویل میں رہتے۔مندروں کی حفاظت پر مامور شکیل نامی گارڈ سے فہد کی شناسائی تھی کیوں کہ فہد اکثر خشک تالاب کے کنارے بیٹھا رہتا تھا اور آتے جاتے دونوں کی دعا سلام ہوتی رہتی تھی۔اگرچہ دونوں کی عمروں میں خاصا فرق تھا لیکن آہستہ آہستہ دونوں کی یہ شناسائی گہری دوستی میں بدل گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں کی آپس میں گفتگو کا بنیادی نقطہ یہی سیمنٹ فیکٹریاں تھیں۔وہ اکثر علاقے کے لوگوں کی بے حسی پر بات کرتے تھے جو سیمنٹ کی

ان فیکٹریوں کے خلاف بات نہیں کرتے تھے ۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اس مسئلے کے حوالے سے حکومت کی عدم توجہ کا بھی گلہ کرتے ۔ایک دن فہد کٹاس کے خشک تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ اسے شکیل نے آواز دی،شکیل کے ہاتھ میں کبوتر کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔

''یار فہد یہ مندر کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔مندر کی چھت میں کبوتروں کے گھونسلے ہیں وہاں سے یہ فرش پر گر گیا ہے،آج سے پہلے جتنے بچے فرش پر گرے وہ مر گئے لیکن میں حیران ہوں کہ اسے کچھ نہیں ہوا۔یہ بھی سمجھ نہیں آرہی کہ ان دنوں جب کبوتروں کے انڈے دینے کا موسم گزر گیا یہ بچہ کہاں سے آگیا۔کیا کروں میں اس کا؟ شام کو میں نے کسی ذاتی کام کی وجہ سے گھر چلے جانا ہے ۔اسے نیچے بھی نہیں رکھ سکتے ۔کوئی اسے اچک لے گا اور اوپر رکھنے کے لیے سیڑھی درکار ہوگی۔''

فہد نے جیسے ہی وہ کبوتر کا بچہ نزدیک سے دیکھا وہ حیران سا رہ گیا۔اس میں وہ تمام نشانیاں موجود تھیں جو نانا جان کے صندوق سے ملی کتاب میں درج تھیں،نیلی آنکھیں،نیلے ناخن،نیلی چونچ،فہد حیران تھا کہ شکیل کا دھیان ان باتوں کی طرف کیوں نہیں گیا۔فہد نے کبوتر کا بچہ ہاتھوں میں لیا تو وہ آخری نشانی بھی پوری ہوگئی جو کہ اس کے وزن کے بارے میں بتائی گئی تھی۔

فہد نے شکیل سے اس بچے کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت مانگی۔شکیل پہلے تھوڑا سا ہچکچایا لیکن بعد میں یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ اسے میں امانت کے طور پر تمھارے حوالے کر رہا ہوں۔جب سیڑھی میسر آجائے گی اور اس کے گھونسلے کا پتا چلے گا تو اسے واپس رکھ دیا جائے گا۔فہد نے شکیل کی ہاں میں ہاں ملائی اور وہ بچہ لے کر سکول کی طرف چل پڑا۔

فہد کا یہ معمول تھا کہ وہ گھر واپس آکر تمام لوگوں کو سلام کرتا اور کھانا کھانے کے بعد اپنے

کمرے میں جاتا۔لیکن آج پہلی مرتبہ فہد سلام کر کے سیدھا چھت پر چلا گیا۔ ویسے تو فہد اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ گھر کے نیچے والے حصے میں رہتا تھا لیکن اس نے چھت پر بھی ایک کمرے میں بسیرا کیا ہوا تھا، جہاں وہ اکثر اوقات اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھتا تھا۔فہد کو چھت پر جاتا دیکھ کر اس کی امی بھی اس کے پیچھے کمرے میں چلی آئیں۔جوں ہی وہ چھت پر پہنچیں انھوں نے دیکھا کہ فہد کسی پرندے کے بچے کو گود میں لیے غور سے دیکھ رہا ہے۔

''فہد! یہ چڑیا کا بچہ کہاں سے اٹھا کر لائے ہو؟''امی نے پوچھا۔

''امی! یہ چڑیا کا نہیں کبوتر کا بچہ ہے۔''فہد نے جواب دیا۔

''چھوڑو جس کا بھی بچہ ہے ۔تم یہ لائے کیوں ہو؟ تم تو پرندوں کو قید کرنے کے خلاف ہو،تم نے ایسا کیوں کیا؟ جاؤ اس کو جہاں سے لے کر آئے تھے واپس وہیں رکھ دو،اس کے ماں باپ بہت پریشان ہوں گے۔''فہد کی امی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''امی !اس کے ماں باپ کا کچھ پتا نہیں ۔دراصل اسے کسی اور پرندے نے اس کے گھونسلے سے شکار کی نیت سے اٹھایا لیکن یہ اس کے پنجوں سے گر گیا۔اور میں جب سکول سے چھٹی کے بعد ویگن کی طرف آرہا تھا تو یہ دھڑام سے میرے قدموں میں گرا تو میں نے اسے اٹھالیا۔''

فہد نے ایک جھوٹی کہانی گھڑ کے امی کو سنادی۔

اس نے پہلی مرتبہ امی سے اس طرح جھوٹ بولا تھا۔فہد کی امی،کہانی سن کر غم زدہ ہوگئیں۔

''پھر اب اس کا کرو گے کیا؟''انھوں نے پوچھا۔

''بس امی کچھ دن دیکھیں گے ۔ابھی تو یہ بہت چھوٹا ہے ۔اگر ہم نے اسے یوں ہی چھوڑ دیا تو کوئی شکاری پرندہ اسے ہڑپ کر جائے گا۔جب اس کے پر نکل آئیں گے تو اسے

آزاد کریں گے۔" فہد نے اپنا منصوبہ امی کو بتایا۔

فہد کی امی نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہا:

"چلو ٹھیک ہے۔ اب اسے رکھو اور کھانا کھا لو۔"

فہد نے کبوتر کو ایک اونچی جگہ رکھا اور امی سے کہنے لگا:

"امی پلیز ابو کو نہیں بتانا۔ آپ نہیں بتائیں گی تو انھیں پتا نہیں چلے گا۔"

"نہیں فہد ان کو خود بخود پتا چل جائے گا۔ مانا کہ وہ دبئی میں ہیں لیکن آج کل ہر بندے کے پاس موبائل فون ہے کوئی بھی دیکھے گا تو انھیں فون پر بتا دے گا۔ اور ہوسکتا ہے وہ اس کی تصویر بھی بھیج دے۔ پر تم فکر نہ کرو۔ تم نے کون سا ہمیشہ اسے پاس رکھنا ہے۔" امی نے جواب دیا۔

اگلے دن فہد نے اپنی امی سے اپنی زندگی کا پہلا منظم جھوٹ بولنے کے بعد دوسرا جھوٹ مندروں کے گارڈ شکیل سے بولا۔ اور اسے بتایا:

"رات کو ہماری پالتو بلی کبوتر کے بچے کو ہڑپ کر گئی۔"

## (2)

فہد نے کبوتر کے اس بچے کا نام گڈ و رکھا۔اس کے ساتھ پہلے دن سے فہد کو انسیت ہوگئی تھی۔گڈ و میں جہاں بظاہر کچھ باتیں پر اسرار تھیں وہاں اس کی عمومی عادتیں بھی بہت عجیب وغریب تھیں۔وہ بہت کم دانہ کھاتا تھا اور ہر وقت آنکھیں بند کیے رکھتا، جیسے مراقبہ کر رہا ہو۔وہ پانی بھی بہت کم پیتا اور حرکت بھی کم کم ہی کرتا تھا۔وہ عام کبوتروں کی طرح آوازیں بھی نہیں نکالتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس کی آواز ابھی تک کسی کے کانوں میں نہیں پڑی تھی۔

کچھ ہفتوں بعد جب اس کے پر نکلے تو فہد کی امی نے فہد سے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ گڈ و کو آزاد کر دے۔فہد نے پہلے تو گڈ و کو آزاد کرنے کے حوالے سے ٹال مٹول سے کام لیا لیکن ایک دن جب اس کی امی نے کچھ ہی زیادہ ہی اصرار کیا تو اس نے امی کو صاف صاف کہہ دیا:

''امی میں اسے آزاد نہیں کروں گا۔''

اس کی امی اس کی یہ بات سن کر بہت پریشان ہوئیں اور فہد سے بحث کرنے لگیں:

''تمھیں کیا ہو گیا ہے۔تم اس پر کیوں ظلم کر رہے ہو۔اسے کیوں پنجرے میں بند کر رکھا ہے۔کاش یہ بول سکتا تو تمھیں بتاتا کہ یہ کتنا پریشان ہے۔''

''نہیں امی ایسی بات نہیں ہے اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے لگتا ہو یہ

پریشان ہے۔"فہد نے وضاحت کرنا چاہی۔

"چپ ہو جاؤ فہد! یہ تو تب پتا چلے کہ جب تم اس کو آزاد کرو اور یہ پنجرے میں واپس آ جائے۔"اس کی امی نے کہا۔

"امی یہ بھی کر کے دیکھ لیں گے لیکن کچھ وقت کے بعد۔"

فہد نے بظاہر لاجواب ہوتے ہوئے کہا۔

اس کی امی اس کی یہ بات سن کر بنا کچھ کہے کمرے سے چلی گئیں۔فہد گڈو کے پنجرے کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

"گڈو یار بولو نا۔تم بولتے کیوں نہیں۔میں جانتا ہوں کہ تم بول سکتے ہو۔تم انسانوں کی طرح ذہین دماغ رکھتے ہو۔"

فہد نے اس طرح کے جملے پہلے بھی گڈو کے سامنے کئی بار دہرائے تھے لیکن گڈو ہمیشہ کی طرح چپ رہتا۔فہد کا دل کہتا تھا کہ گڈو اس کی باتیں بہت دھیان سے سن رہا ہے لیکن گڈو کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔

فہد کی امی نے فہد کے ابو سے رابطہ کرنے کے بجائے فہد کے ابو کے قریبی دوست اعظم ملک سے رابطہ کیا۔اعظم ملک، اس کے والد کے بہت پرانے دوستوں میں سے تھے، وہ ایک درد دل رکھنے والے انسان تھے اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔اپنے محدود وسائل کے باوجود وہ ایک عرصے سے اپنے آبائی علاقے میں غریب لوگوں کے لیے ایک دسترخوان کا اہتمام کرتے، جہاں غریب لوگوں کو مفت کھانا کھلایا جاتا۔

"اعظم بھائی میں بہت پریشان ہوں۔"فہد کی امی نے فون پر سلام دعا کرنے کے بعد اعظم ملک سے کہا۔

''کیوں کیا ہوا بہن۔''اعظم صاحب نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اعظم بھائی ہونا کیا ہے فہد نے کبوتر کا ایک بچہ پال لیا ہے اور وہ اسے آزاد نہیں کر رہا۔ پہلے کہتا تھا کہ جب اس کے پر نکل آئیں گے تو میں اسے آزاد کر دوں گا۔اب جب پر نکل آئے تو کہتا ہے میں اسے دو تین مہینے اور رکھوں گا۔میں نے فہد کے ابو سے بات کرنے کے بجائے پہلے آپ سے بات کرنا مناسب سمجھا۔مجھے ڈر ہے کہ اس بات پر فہد کے ابو غصے میں نہ آجائیں۔شکر ہے کہ ابھی تک کسی نے انھیں اس بارے میں نہیں بتایا۔''

اعظم صاحب نے فہد کی امی کی بات تحمل سے سنی اور کہا:

''بہن یہ تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔بچوں کا شوق پورا کرنا بری بات نہیں ہے۔بس اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ اس شوق کی وجہ سے ان کی پڑھائی متاثر نہ ہو۔جہاں تک فہد کی بات ہے تو فہد ایک بہت سمجھ دار بچہ ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ وہ شوق کی وجہ سے اپنی تعلیم متاثر کرے گا۔میرا مشورہ ہے کہ اسے دو تین ماہ کی مہلت دے دی جائے۔اگر دو تین ماہ کے بعد بھی اس نے یہی ضد کی تو میں اس سے بات کروں گا۔''

فہد کی امی نے اعظم صاحب کی اس تسلی کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ وہ اسے کچھ ماہ کی مزید مہلت دینی چاہیے۔چنانچہ انھوں نے اسے بلا کر پیار سے سمجھایا اور مزید تین ماہ کی مہلت دیں اور کہا کہ تین ماہ بعد اسے ہر حال میں کبوتر کو آزاد کرنا ہوگا۔

''ٹھیک ہے امی۔''فہد نے فرش کو گھورتے ہوئے امی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

(3)

امی کی طرف سے دی گئی مہلت بہت نزدیک آ گئی تھی سو فہد کی پریشانی بہت بڑھ گئی تھی۔ فہد سوچ رہا تھا کہ اب بھی اگر گڈو نے بات نہ کی تو وہ کیا کرے گا، اسے آزاد کرے گا یا اور مہلت مانگے گا۔ اسے رہ رہ کر خیال آتا کہ بہت بڑا خزانہ اس کے ہاتھ سے نکلنے والا ہے اسے اپنی وہ تمام محنت رایگاں جاتی نظر آ رہی تھی جو اس نے گڈو کو بلوانے کے لیے کی تھی۔ اسے وہ تمام شامیں یاد آتیں، جن میں کھیلنے کے بجائے وہ گڈو سے باتیں کرنے میں مصروف رہا تھا۔ ویسے تو گڈو کے حوالے سے فہد کا دل یہی گواہی دیتا تھا کہ وہ بول پڑے گا لیکن آج نہ جانے کیوں فہد کا دل بہت بجھا ہوا تھا۔ وہ کافی دیر کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ تین دن بعد مہلت پوری ہوتے ہی وہ امی کے ساتھ کیے گئے اپنے وعدے کی پاسداری کرتے ہوئے گڈو کو رہا کر دے گا۔

جب سے گڈو گھر آیا تھا فہد نے نچلے پورشن پر موجود اپنے کمرے کو خیرباد کہہ کر چھت پر واقع کمرے کو اپنا مستقل ٹھکانا بنا لیا تھا۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی شمال کی طرف کھلتی تھی۔ آج رات پریشانی کے عالم میں فہد وہ کھڑکی بند کرنا بھول گیا۔ گڈو کا پنجرہ عموماً کھڑکی کے سامنے دیوار میں لگی ہُک سے لٹکتا رہتا تھا۔ رات کے پچھلے پہر فہد کی اچانک آنکھ کھلی تو وہ کچھ گھبرا سا گیا اسے یوں لگا جیسے کوئی اسے بلا رہا ہو۔ پہلے اس نے سوچا کہ شاید اس نے کوئی خواب دیکھا

ہے،لیکن بہت یاد کرنے پر بھی اسے کوئی خواب یاد نہ آیا۔

ابھی وہ اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے وہی آواز پھر سنائی دی۔ اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ایک لمحے کو تو فہد ڈر سا گیا کہ یہ آواز کدھر سے آ رہی ہے۔

''ادھر دیکھو فہد میں بول رہا ہوں۔'' ایک لمحے کو فہد کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ حیرت اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں فہد نے گڈو کے پنجرے کی طرف دیکھا۔

''یہ کھڑکی بند کردو مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔'' گڈو نے تکلیف بھرے لہجے میں کہا۔

فہد حیرت کی کیفیت سے دوچار تھا، وہ گڈو کی طرف مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ اسے ہوش ہی نہیں تھا کہ گڈو کیا کہہ رہا ہے۔

''فہد کھڑکی بند کرو مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔''

گڈو کی دوبارہ التجا پر فہد چونکا اور اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کی۔ اس نے گڈو کے پنجرے کو اپنے بیڈ پر اپنے ساتھ رکھا اور اس پر کمبل ڈال دیا تاکہ اسے سردی سے بچایا جا سکے۔

''میرا سانس بند ہو رہا ہے کمبل ہٹاؤ۔'' کبوتر کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔

فہد نے فوراً کمبل ہٹا دیا۔ فہد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بات کرے۔ اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکل پایا:

''گڈو۔''

اور پھر ٹکٹکی باندھ کر گڈو کی طرف دیکھنے لگا۔ کمرے میں اس وقت زیرو کا بلب آن تھا اور اس کی روشنی خاصی مدھم تھی۔ کچھ دیر بعد اٹھ کر اس نے بڑی لائٹ آن کی تو کمرہ دودھیا روشنی سے جگمگا اُٹھا۔ اس دودھیا روشنی میں اس نے بغور دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ اب گڈو کی

آنکھوں میں پہلے سے کہیں زیادہ چمک ہے اور اس کے کھڑے ہونے کا انداز بھی تبدیل ہو چکا ہے۔گڈو کی آواز میں ایک عجیب سا رعب تھا۔

''گڈو یار مجھے یقین تھا کہ تم ایک دن ضرور بولو گے۔اگر چہ تم نے بہت دیر لگا دی لیکن شکر ہے کہ تم بولے۔''فہد کی آواز میں اداسی بھری چہک تھی۔

''اگر چہ مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ مجھے قید کیا گیا لیکن اس کے باوجود میرے نہ بولنے کی وجہ قید نہیں ہے۔دراصل میں تمھاری عادات کا مشاہدہ کر رہا تھا تا کہ میں یہ فیصلہ کر سکوں کہ مجھے تمھارے ساتھ رہنا ہے یا نہیں۔اپنی پر اسرار فطرت کے باعث مجھے معلوم تھا کہ میں عام کبوتروں میں نہیں رہ سکتا لیکن تمھارے حوالے سے بھی میں تذبذب کا شکار تھا اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔شاید مجھے یہ فیصلہ کرنے میں مزید کچھ دن لگتے لیکن آج کی شدید ٹھنڈ تمھارے ساتھ گفتگو کا وسیلہ بن گئی۔یہ قانون فطرت ہے کہ کسی بھی جاندار کا بچہ اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ جس جگہ اور جس کسی کے ساتھ گزارتا ہے،اس کے ساتھ اسے عجیب سا لگاؤ ہو جاتا ہے۔میں نے چوں کہ اب تک کی زندگی تمھارے ساتھ بسر کی ہے اس لیے مجھے تم سے ایک لگاؤ سا ہو گیا ہے۔اب میرے ہم جنس میرے لیے اور میں ان کے لیے اجنبی ہوں۔کیوں کہ میری عادات اب ان سے نہیں تم جیسے انسانوں سے ملتی ہیں۔کبوتر مجھے اب اپنے ساتھ شامل نہیں کریں گے۔الٹا مجھ سے دور بھاگیں گے۔میں تنہا زندگی گزار سکتا ہوں لیکن تنہائی کسی بھی جاندار کے لیے اچھی چیز نہیں۔''

فہد گڈو کی باتیں سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ حیران بھی ہو رہا تھا۔

''گڈو یار تمھارے بارے میں ہندو پنڈت کی کتاب میں ٹھیک ہی لکھا ہوا تھا کہ تم ایک ذہین دماغ رکھتے ہو۔''فہد،گڈو سے مخاطب ہوا۔

''صرف میں ہی نہیں ہر پرندہ اور جانور ذہین دماغ رکھتا ہے اور بہت حساس ہوتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ وہ انسان سے ہم کلام ہونے کی قدرت نہیں رکھتے اور مجھے خدا نے یہ صلاحیت بھی بخشی ہوئی ہے لہٰذا میں جو محسوس کرتا ہوں انسانوں ہی کی زبان میں ان سے کہہ سکتا ہوں۔''

گڈو کی یہ باتیں سن کر فہد مزید حیران ہوا۔

''گڈو یار تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے۔''

''نہیں جاؤں گا فہد تم پریشان نہ ہو۔میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔بس یہ یاد رکھنا کہ میں اپنے ساتھ کی گئی زیادتی معاف کر دوں گا لیکن تم نے اگر کسی کا حق مارا، کسی دوسرے انسان، جانور یا پرندے کے ساتھ زیادتی کی تو میں واپس نہیں آؤں گا۔میرے ساتھ گفتگو میں احتیاط برتنا۔یہ اچھی بات ہے کہ تم اونچی آواز میں اپنا سبق یاد کرنے کے عادی ہو۔اگر تم مجھ سے باتیں کر رہے ہو گے تو یہ تاثر جائے گا کہ تم اپنا سبق یاد کر رہے ہو۔ویسے بھی تم اگر مجھ سے باتیں کرتے رہو اور میں جواب نہ دوں تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم مجھ سے باتیں کر رہے ہو جیسے لوگ اپنے پالتو جانوروں اور پرندوں سے کرتے ہیں۔ ہاں یاد رکھو میں ہر وقت تم سے باتیں نہیں کروں گا۔میں مناسب وقت اور موقع دیکھ کر تم سے بات کیا کروں گا۔''

فہد کو گڈو کی یہ بات پسند آئی اور فہد نے تائید کرتے ہوئے کہا:

''تم نے ٹھیک کہا گڈو۔اس طرح تمھارا راز بھی افشا نہیں ہوگا۔''

''مگر یاد رکھنا اگر میرا راز افشا ہو گیا تو میں تمھارے ساتھ نہیں رہوں گا۔'' گڈو نے کہا۔

''لیکن گڈو میں نے تو شروع ہی سے منصوبہ بنا رکھا تھا کہ جب بھی تم مجھ سے ہم کلام ہو گے۔میں تمھارے بارے میں سب کو بتاؤں گا۔بل کہ میرا تو یہ بھی ارادہ تھا کہ میں ایک

دلچسپ پریس کانفرنس منعقد کروں، جس میں تم میڈیا کے سوالات کا جواب دو گے۔"

"نہیں نہیں۔ ایسا کبھی گمان میں بھی نہ لانا۔ ایسا کرنے سے تم اور میں شہرت اور دولت تو پا لیں گے لیکن اس سے دوسرے کبوتروں کے لیے مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ لوگ دوسرے کبوتروں کو اس امید پر پکڑنا شروع کر دیں گے کہ ان میں بھی میری طرح بات کرنے کی صلاحیت اجاگر کی جا سکتی ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے کٹاس کے کبوتروں کو نشانہ بنائیں گے۔"

گڈو کی یہ باتیں سن کر فہد نے یہ خیال دل سے نکال دیا کہ وہ گڈو کو دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ سوچ کر بے حد دکھ ہوا کہ ایک کبوتر کو دوسرے کبوتروں کا احساس ہے لیکن انسان جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتا ہے اسے دوسرے انسانوں کے دکھوں اور تکلیفوں کا احساس تو درکنار الٹا وہ اپنے جیسے انسانوں کے دکھوں میں اضافہ ہی کرتا رہتا ہے۔

"گڈو یار ایک بڑے مسئلے کا سامنا ہے۔" فہد نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ تم جو سوچ رہے ہو میں اس سے آگاہ ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہی ناں کہ مجھے آزاد کرنے کے لیے تم پر تمھارے گھر والوں کا دباؤ ہے۔"

"تمھیں کیسے پتا؟ کیا تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو؟"

"یار اس میں اچنبھے والی کون سی بات ہے۔ کیا میں تمھاری اور تمھاری امی کی باتیں نہیں سنتا رہتا تھا۔ میں نے زبان بند رکھی ہوئی تھی، کان تو نہیں۔"

"جہاں تک صلاحیتوں کی بات ہے تو مجھ میں اور بھی بہت سی صلاحیتیں ہیں لیکن

انھیں بیدار ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ جب میری عمر تین سال ہو گی تب یہ صلاحیتیں مجھ میں مکمل طور پر بیدار ہوں گی۔"

"لیکن سرِ دست جو مسئلہ درپیش ہے اس کا کیا کریں گڈو؟"

"اس کا بہت آسان سا حل ہے۔"

"وہ کیا؟"

"وہی جو تمھاری امی کو سوجھا تھا۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"یہی کہ تم مجھے آزاد کر دینا۔۔۔اور میں اُڑ کر واپس تمھارے گھر آجاؤں گا۔ جب میں خود ہی کہیں نہیں جاؤں گا تو تمھارے گھر والوں کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

(4)

''امی آج ہم گڈو کو آزاد کر دیں گے۔'' اگلی صبح فہد نے ناشتے کی میز پر امی سے کہا۔

''لیکن ابھی تو میری طرف سے دی گئی مہلت میں مزید کچھ دن باقی ہیں۔'' امی نے اس کی بات پر حیران ہوتے ہوئے کہا۔ ان کی آواز میں خوشی کی واضح جھلک موجود تھی، جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''امی! میں اسے آج ہی آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ بس مجھے ایک ہی فکر لاحق ہے کہ یہ بے چارا کدھر جائے گا؟'' فہد نے فکرمند لہجے کی اداکاری کی، جسے اس کی امی بھانپ نہ سکیں۔

''چلا جائے گا کہیں اپنے جیسے کبوتروں میں۔ لیکن جہاں بھی گیا مڑ کر ادھر دوبارہ نہیں آئے گا۔'' اس کی امی نے کہا۔

''اور اگر آ گیا تو۔۔۔۔'' فہد کی اس بات کا امی نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

فہد نے ڈرتے ڈرتے گڈو کے پنجرے کا دروازہ کھولا۔ گڈو نے پنجرے سے نکلتے ہی آسمان کی طرف سیدھی اڑان بھری اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فہد اور اس کی امی یہ منظر دیکھ کر بے حد حیران ہوئے کہ کبوتر کا معصوم سا بچہ، جس نے آج تک کوئی اڑان نہیں بھری تھی، کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کی وسعتوں میں کھو گیا۔

گڈو کو اس طرح اڑتے دیکھ کر فہد کو ایک دھڑکا سا لگا کہ شاید گڈو واپس نہ آئے۔ اس کا

دل پریشان سا ہو گیا۔ چناں چہ وہ دل ہی دل میں اس کی واپسی کی دعائیں مانگنے لگا۔

گڈو اپنی پہلی ہی پرواز میں کافی بلندی پر پہنچ گیا اس نے آسمان کی وسعتوں سے وادی کہون کا نظارہ کیا، جس میں فہد کا گاؤں ''وعولہ'' بھی تھا، جہاں وہ اپنے بچپنے سے اس کے ساتھ رہ رہا تھا۔ گاؤں کے دوسری طرف کٹاس کے مندر تھے۔ جن میں سے ایک میں اس نے آنکھ کھولی تھی۔ انھی مندروں کے پیچھے سیمنٹ فیکٹریاں تھیں، جنھوں نے یہاں کے قدرتی نظاروں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ پہاڑ اور جنگلات، جو قدرتی کاریگری کا بہترین مظہر تھے، کاٹے جا رہے تھے۔ دورانِ پرواز گڈو کو ایک جھیل نظر آئی، جس سے تھوڑے فاصلے پر سرخ پتھروں سے بنی ایک عمارت بھی تھی۔ اس نے وہیں اترنے کا فیصلہ کیا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ کلر کہار کی تاریخی جھیل کے ساتھ واقع قلعہ ملوٹ کی سرخ عمارت پر اتر چکا تھا۔

گڈو جیسے ہی قلعہ ملوٹ کی قدیم عمارت پر اترا، وہاں موجود کبوتروں میں ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ گڈو کے مافوق الفطرت ہونے کی وجہ سے، دوسرے کبوتر اس سے خوف کھا گئے۔ اس نے سوچا شکر ہے کہ مجھے فہد کا ساتھ میسر آیا ورنہ میں تو کہیں کا نہ رہتا۔

## (5)

گڈو کو ''وعولہ'' میں موجود فہد کے گھر سے اڑے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اب تو سورج بھی ڈھلنے لگا تھا۔ جوں جوں سورج ڈھل رہا تھا اور سائے گہرے ہو رہے تھے، فہد کی مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔ فہد کا خیال تھا کہ گڈو ایک آدھ گھنٹے میں واپس آجائے گا۔ وہ بار بار آسمان کی وسعتوں کو کھنگالتا۔ لیکن وہاں گڈو کا تو کیا اس کے کسی ہم جنس کا بھی کوئی نشان نہیں تھا۔

فہد اب گڈو کی واپسی سے تقریباً مایوس ہو چکا تھا کہ اسے کمرے کی کھڑکی سے پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز آئی۔ وہ اس آواز کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ گڈو کمرے کی کھلی کھڑکی سے ہوتا ہوا اس کے کمرے میں آ گیا۔

''گڈو تم کہاں چلے گئے تھے؟ تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟ کیا تم نے کھون کی وادی دیکھی؟ تم نے کٹاس کے مندر دیکھے، تم واپسی کا راستہ تو نہیں بھولے؟''

گڈو خاموش رہا، کیوں کہ وہ دروازے میں کھڑی فہد کی امی کو دیکھ چکا تھا جب کہ فہد اپنی پشت دروازے کی طرف ہونے کی وجہ سے انھیں ابھی تک نہ دیکھ پایا تھا۔ فہد کی امی پہلے تو گڈو کی واپسی پر حیران ہوئیں۔ اور پھر اس بات پر کہ فہد گڈو سے کس طرح پانچ سال کے بچے کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ نہ صرف باتیں کر رہا ہے بل کہ اس سے جواب بھی طلب کر رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر فہد کی امی کا دل بہت نرم ہو گیا اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ابھی کچھ

عرصہ اور یعنی فہد کے ابو کے دبئی سے پاکستان آنے تک فہد کو گڈو سے الگ نہیں کریں گی۔ انھوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اعلان کر دیا:

''فہد تم گڈو کو ابو کے آنے تک اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو، جب تمھارے ابو آئیں گے تو وہ خود یہ فیصلہ کریں گے کہ گڈو کو تمھارے ساتھ رہنا چاہیے کہ نہیں۔ فہد امی کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا کہ چلو اب زیادہ نہیں تو دو چار مہینے کی مہلت تو مل ہی گئی ہے۔ کیوں کہ اس کے ابو کو عید پر پاکستان آنا تھا، جس میں ابھی چند ماہ کا عرصہ باقی تھا۔

''تمھیں بتایا نہیں تھا کہ مجھ سے بات کرنے میں احتیاط کرنا۔ اگر میں اس وقت بول پڑتا تو تمھاری امی کو میرے بارے میں پتا چل جاتا۔'' فہد کی امی کے واپس جاتے ہی گڈو بول پڑا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، تم نے بہت عقل مندی کا ثبوت دیا۔'' فہد گویا ہوا۔

دونوں کے درمیان طے پایا کہ گڈو اپنے پنجرے ہی میں سوئے گا لیکن اس کا دروازہ بند نہیں کیا جائے گا۔ صبح جب فہد سکول جائے گا تو واپسی تک گڈو وادی کھون کی کھلی فضا میں سیر کرتا رہے گا۔ شام کو جب فہد واپس آئے گا تو گڈو بھی اس کے ساتھ واپس آجائے گا۔

## (6)

اگلے دن کی پرواز گڈو کے لیے دکھ بھری تھی۔ ہوا کچھ یوں کہ گڈو پرواز کرتا ہوا نزدیکی قصبے ''ڈلوال'' میں ایک گھر میں موجود بیری کے درخت پر جا بیٹھا۔ یہ بیری عام بیریوں سے نسبتاً بڑی اور گھنی تھی۔ گھر کے صحن میں چار پائی پر بیٹھی ایک بوڑھی عورت رو رہی تھی۔ اس کے ساتھ چار پائی پر ایک لڑکی بھی پریشان حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ گڈو کے کانوں میں اس عورت کی آواز آئی:

''بیٹا! اب بتاؤ کیا کریں؟ فیس نہ ہونے کی وجہ سے اب تو تمھارے بھائی کو سکول سے نکال ہی دیا جائے گا، تمھاری تنخواہ کا راستہ دیکھتے دیکھتے مہینوں گزر گئے۔ کس نے تمھیں پولیو ورکر کی نوکری کرنے کے لیے کہا تھا۔ محنت بھی دن رات کرو اور تنخواہ کے لیے بھی ترسو۔ اوپر سے جان بھی خطرے میں ڈالو۔ دیکھو نا آج کل پولیو ورکرز پر کتنے حملے ہو رہے ہیں۔''

'' نہیں امی ایسا نہ کہیں۔ پولیو ورکر کی نوکری صرف نوکری ہی نہیں ایک کارِ ثواب بھی ہے۔ ہر سال کتنے ہی بچے پولیو کے قطرے نہ پینے کی وجہ سے معذور ہو جاتے ہیں اگر ہم دن رات محنت کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں بہت سے بچوں کی زندگیوں کو معذوری سے بچاتے ہیں۔ مانا کہ تین مہینے سے تنخواہ نہیں ملی لیکن اس مہینے امید ہے کہ تنخواہ مل جائے گی۔''

''تنخواہ تو مل جائے گی لیکن تمھارے بھائی کو سکول میں رہنے کی مہلت نہیں ملے گی اور

ہمیں تو ادھار بھی کوئی نہیں دیتا۔صرف دو ہزار کی تو بات ہے لیکن ہمیں تو یہ بھی کوئی نہیں دیتا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ بوڑھی خاتون اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔شام کو جب فہد واپس آیا تو گڈو نے اسے پولیو ورکر کی داستان سنائی۔فہد کا دل بہت دکھی ہوا۔فہد نے پہلے یہ سوچا کہ وہ امی سے پیسے مانگے گا لیکن اسے پھر خیال آیا کہ اس نے کچھ ہفتے قبل ہی اپنے محلے میں ایک بیمار بچے کی مدد کے لیے امی سے پیسے لیے تھے اب وہ دوبارہ کسی کی مدد کے لیے امی سے پیسے مانگے گا تو وہ انکار کر دیں گی۔فہد کے ذہن میں اپنے قریبی دوست سرمد کا خیال آیا، سرمد سے مل کر فہد نے اسے بچے کے سکول سے نکالے جانے کی بات تو بتادی لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ بات اسے کس طرح پتا چلی ہے۔

سرمد نے کہا: "یار! ابھی نیا مہینہ شروع ہونے میں دو چار دن ہی رہ گئے ہیں اسے جب جیب خرچ ملے گا تو وہ فہد کو دے دے گا۔"

فہد نے کہا: "تین چار دن تک تو مجھے بھی جیب خرچ مل جائے گا یہ کہہ کر فہد واپس لوٹ آیا۔"

"گڈو یار کیا کریں۔" فہد نے پریشانی کے عالم میں پوچھا: "ابو کے پیسے عموماً چار پانچ تاریخ تک پہنچتے ہیں اور سرمد کے ابو کو بھی تنخواہ سات آٹھ تاریخ تک جا کر ملتی ہے لیکن پولیو ورکر کے بھائی کو پہلی یا دو تاریخ کو سکول سے نکال دیا جائے گا۔اب کیا کیا جائے؟"

"میرے پاس ایک راستہ ہے۔" گڈو نے کہا۔

"کون سا راستہ؟"

"میں کسی اور گھر کے سے پیسے اٹھا کر پولیو ورکر کے گھر پھینک دوں اور جب کچھ دنوں کے بعد تمھیں جیب خرچ ملے تو میں وہ پیسے واپس انھی لوگوں کے گھر رکھ آؤں یہ ایک طرح

سے ان لوگوں کی طرف سے بھی صدقہ ہو جائے گا۔''

''لیکن گڈو یہ تو ایک طرح سے چوری ہے۔''فہد نے کہا۔

''نہیں اسے چوری نہیں کہہ سکتے ،اسے ایک طرح سے ادھار ہی سمجھو۔صرف سات آٹھ دنوں کی بات ہے۔میں دو تین دنوں میں پیسے اٹھالاؤں گا اور جیسے ہی تمھیں جیب خرچ ملے گا ان لوگوں کے گھر میں واپس پھینک آؤں گا۔بس دو ہزار روپے کی بات ہے تو وہ بھی ایک گھر سے نہیں اٹھاؤں گا۔تم نشان دہی کرنا۔میں استطاعت رکھنے والے گھروں ہی سے پیسے اٹھاؤں گا۔'' فہد نے گڈو کی یہ تجویز منظور کر لی اور اسے دو ہزار روپے اٹھانے کا ٹارگٹ دیا۔اور ساتھ ہی اپنے گاؤں اور علاقے کے کچھ ایسے لوگوں کے گھروں اور ان کی لوکیشن کے بارے میں بتانا شروع کیا جو صاحب حیثیت تھے۔

گڈو سب سے پہلے وعولہ کے ساتھ ہی واقع دوالمیال گاؤں میں اترا اور فہد کے بتائے ہوئے پتے یعنی پانی والی ٹینکی کے ساتھ موجود ڈاکٹر سدید کے صحن میں موجود سفیدے کے درخت پر جا بیٹھا۔ڈاکٹر سدید نے اپنے گھر کے ساتھ ہی کلینک بنا رکھا تھا۔کلینک میں دو کمرے تھے ایک میں وہ مریضوں کو چیک کرتے اور دوسرا کمرہ مہمانوں سے ملاقاتوں کے لیے مختص تھا۔گڈو اڑ کر پہلے مہمانوں والے کمرے کے روشن دان پر بیٹھ گیا۔اس کے کانوں میں ڈاکٹر سدید اور کچھ دوسرے لوگوں کی آوازیں گونجیں:''ڈاکٹر صاحب یہ پیسے رکھ لیں۔'' ایک شخص نے میز پر نوٹوں کی گڈی رکھتے ہوئے کہا۔''نہیں نہیں یہ پیسے کافی نہیں۔''ڈاکٹر سدید نے جواب میں کہا:

''میں جو دوائیں مریضوں کے لیے تجویز کر رہا ہوں اس کے لیے مجھے کمپنی والے بہت کمیشن دے رہے ہیں۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی دوا مریضوں کے لیے تجویز

کروں تو آپ کو زیادہ کمیشن دینا پڑے گا۔"

ڈاکٹر سدید کی یہ بات سن کر اس شخص نے نوٹوں کی گڈی کے اوپر ہزار ہزار کے کچھ اور نوٹ رکھے اور کہا:

"ڈاکٹر صاحب آپ یہ قبول کریں اگلی مرتبہ آپ کو زیادہ پیسے ملیں گے اور باقاعدگی سے ملیں گے۔" یہ کہہ کر وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ڈاکٹر سدید بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور گاڑی تک ان کو چھوڑنے گیا۔ گڈو نے کھڑکی سے دیکھا کہ دوسرے کمرے میں مریضوں کی ایک بڑی تعداد ڈاکٹر صاحب کا انتظار کر رہی تھی۔ گڈو نے موقع غنیمت جانا اور میز پر رکھے پیسوں میں سے ایک ہزار کا نوٹ اٹھالیا اور فہد کے گاؤں کی طرف پرواز شروع کر دی۔

رات کو جب گڈو اور فہد کی آپس میں گفتگو شروع ہوئی تو گڈو نے ڈاکٹر سدید کے حوالے سے ساری کہانی فہد کو کہہ سنائی۔ فہد کا دل بہت غمگین ہوا اور اس نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"دیکھو گڈو کتنے مقدس پیشے کو لوگوں نے کس طرح ذاتی فائدہ کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ پیسوں کے لیے انسانوں کی زندگیوں سے کھیلنا، کتنا غلیظ دھندا ہے۔ کمیشن مافیا کے حوالے سے میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی رسائی دور دراز کے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں تک بھی ہے۔ لیکن گڈو اگر اتنے پیسے وہاں پڑے ہوئے تھے تو ایک ہی دفعہ دو ہزار کیوں نہیں اٹھالائے۔"

"بس کیا بتاؤں۔ سچ پوچھو تو میرا دل نہیں مانا کہ اتنے اچھے کام کا وسیلہ وہ شخص بنے جو انسانوں کی زندگیوں سے کھیلتا ہے۔ ایک ہزار روپیہ بھی اس لیے اٹھایا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے کیوں کہ ہمارے پاس صرف دو دن ہیں۔" فہد کو گڈو کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا۔

اگلی صبح گڈو علاقے کے ایک معروف پولیس والے کے گھر کی چھت پر جا بیٹھا تھا۔ اس گھر کی نشان دہی بھی فہد ہی نے کی تھی۔ پولیس والے کی بیوی صدقہ خیرات کرنے کے حوالے سے کافی اچھی شہرت رکھتی تھی۔ فہد نے سوچا کہ کیا پتا صدقات کے لین دین میں کچھ پیسے گڈو کے ہاتھ بھی لگ جائیں۔ گڈو صبح سویرے ہی پولیس والے کے گھر کے صحن میں لگے درخت پر جا بیٹھا۔ صحن میں پولیس والا اور اس کی بیوی کسی بات پر بحث و تکرار میں مصروف تھے:

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ نے ایک بے گناہ کے خلاف، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بے گناہ ہے جھوٹا پرچہ کاٹ دیا۔ کیا آپ کو مظلوم کی بد دعاؤں سے خوف نہیں آتا۔ آپ نے تو کبھی رشوت نہیں لی تو پھر ایسا کیوں۔''

''نہیں تمھیں اصل بات کا پتا نہیں۔ بات رشوت کی نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ جس بندے پر ایف آئی آر ہوئی ہے وہ بے گناہ ہے اور میں آگے چل کر کیس میں اس کی مدد بھی کروں گا۔ لیکن یہ مقدمہ درج کرنے کے لیے میں مجبور تھا۔ مجھ پر افسران بالا کی طرف سے بہت دباؤ تھا۔ یہاں سسٹم ایسا ہے کہ بے گناہ کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے اور ایک ایمان دار پولیس والے کو ایمان داری سے اپنا کام کرنے میں بہت زیادہ رکاوٹوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن تم فکر نہ کرو آخر فتح حق کی ہوتی ہے۔''

''میں مانتی ہوں کہ آخری فتح حق کی ہوتی ہے لیکن اس فتح تک پہنچتے پہنچتے بے گناہ آدمی کا جو وقت، جان اور مال ضائع ہوتا ہے، اس کا ذمہ دار کون ہے؟'' پولیس والے کی بیوی نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''بس سسٹم ہی کچھ ایسا ہے میں کیا کرسکتا ہوں۔'' پولیس والے نے اپنی بیوی کے

آگے ہتھیار ڈال دیے۔

"سسٹم بھی تو آخر انسانوں ہی نے بنایا ہے۔ خدا نے اسے آسمان سے تو نازل نہیں کیا۔ یہ تو شکر ہے کہ میرے بھائی بیرون ملک سے صدقے خیرات کے لیے مجھے پیسے بھیج دیتے ہیں ورنہ پولیس والوں کا صدقہ نجانے قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ تم سنبھالو اپنا گھر اور اپنا سسٹم میں جا رہی ہوں امی کے گھر۔" یہ کہہ کر پولیس والے کی بیوی غصیلے انداز میں اپنے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔

گڈو نے یہ ساری صورت حال دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہاں سے اب پیسے نہیں ملیں گے، اس نے اپنے طور پر پیسوں کی تلاش کا ارادہ کیا اور اڑتے اڑتے ایک اور قریبی گاؤں تترال میں موجود ایک درخت کی چوٹی پر جا بیٹھا۔ یہ درخت ایک سکول کی عمارت کے صحن میں واقع تھا۔ گڈو نے دیکھا کہ نیچے سکول میں ایک عورت بچوں کو بہت زیادہ مار رہی ہے۔ گڈو اُڑ کر سکول کی دیوار پر جا بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر تیل کی بوتل الٹی پڑی ہے اور استانی بچی کو مار رہی ہے۔ وہ کافی دیر تک اس صورت حال کو سمجھنے کی تگ و دو میں لگا رہا تب اس پر کھلا کہ سکول کی میڈم اس بچی سے اپنے سر میں تیل لگوا رہی تھی۔ اس دوران میں بچی کے ہاتھوں سے تیل کی بوتل گر گئی اور سارا تیل مٹی میں جذب ہوگیا اور میڈم نے بچی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ گڈو نے دیکھا کہ باقی استانیاں بھی بچوں کو پڑھانے کے بجائے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں، کوئی سویٹر بن رہی ہے تو کوئی رسالہ پڑھنے میں مصروف ہے۔ گڈو یہ منظر دیکھ کر بہت اداس ہوا۔ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا، جب چھٹی کی گھنٹی بجی تو گڈو کو اندازہ ہوا کہ کتنی دیر ہوگئی ہے۔ گڈو نے دیکھا کہ وہ استانی جس نے بچی کو مارا تھا وہ سکول سے نکل کر سکول کے ساتھ واقع اپنے گھر میں چلی گئی ہے۔ گڈو بھی

اڑتا ہوا اس کے گھر کی دیوار پر جا بیٹھا۔ برآمدے میں اس کا شوہر چار پائی پر لیٹا ہوا تھا۔ استانی نے اپنے پرس میں سے کچھ پیسے نکال کر اس کے حوالے کیے اور کہا کہ اتنے ہی بنے۔شوہر نے پیسوں کی طرف دیکھ کر کہا:

''بس اتنے ہی۔ یہ تو بہت کم ہیں۔ پوری کلاس کے ہفتے بھر کا جرمانہ صرف اتنا ہی۔''

''شکر نہیں کرتے۔ایک تو تنکا توڑ کر دو نہیں کرتے اور اوپر سے باتیں بھی کرتے ہی ہو۔شکر کرو کہ یہ سرکاری سکول کی نوکری ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔بچوں پر محنت بھی نہیں کرنی پڑتی اور تنخواہ بھی اچھی مل جاتی ہے اور اس پر غنیمت یہ کہ بچوں پر عائد کردہ جرمانے پرنسپل صاحب کی ملی بھگت سے استانیاں گھر لے آتی ہیں۔''اپنے شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے استانی تھوڑے سخت لہجے میں بولی۔استانی کی یہ بات سن کر اس کے شوہر نے تائید میں سر ہلایا۔

''پرائیویٹ سکول کی حالت جا کر دیکھیں تو آپ کو پتا چلے کہ کس طرح وہ تھوڑے سے پیسے دے کر خون نچوڑتے ہیں اور جو محنت کی جاتی ہے اس کا بھی معاوضہ نہیں ملتا۔'' یہ کہہ کر استانی اندر چلی گئی۔اسی اثنا میں اس کے شوہر کے موبائل کی بیل بجی اور وہ موبائل کان سے لگائے صحن کی دیوار کے پاس جا کھڑا ہوا۔گڈو نے موقع غنیمت جانا اور میز پر رکھے پیسوں میں سے پانچ سو روپیہ اٹھا لیا اور فہد کے گھر کی طرف اڑان بھری۔گھر پہنچ کر گڈو نے فہد کو ساری کہانی سنائی۔فہد جو پہلے ہی ڈاکٹر سدید کی بات کی وجہ سے دکھی تھا، آج رونما ہونے والی کہانیاں سن کر مزید دکھی ہو گیا۔

''دیکھو گڈو وہ تمام ادارے، جن کی بنیاد پر کوئی معاشرہ کھڑا ہوتا ہے، ہمارے ملک میں کس قدر کھوکھلے ہیں۔ان شاء اللہ میں اس نظام کے خلاف آواز اٹھاؤں گا۔''

''چلو ٹھیک ہے وہ تو بعد کا کام ہے۔ سرِ دست یہ دعا کرو کہ باقی کا پانچ سو روپیہ کہیں سے مل جائے۔'' گڈو نے فکرمند لہجے میں کہا۔

'' فکر نہ کرو گڈو ۔میرا دل کہتا ہے کہ ان کا بندوبست بھی ہو جائے گا،لیکن اب میں تمھارے لیے کسی جگہ کی نشان دہی نہیں کروں گا۔تم نے خود ہی فیصلہ کرنا ہے کہ کس گھر سے باقی پیسے اٹھانے ہیں۔''

اگلی صبح گڈو، وادی کہون کے بہت سے دیہاتوں میں اترا لیکن اسے کہیں سے پیسے نہ ملے۔آخر کار وہ ایک قصبے ڈھیری سیداں میں موجود ایک چھپر نما ہوٹل کی دیوار پر جا بیٹھا۔ وہاں بینچ پر بیٹھے کچھ لوگ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ایک صاحب کہہ رہے تھے:

'' آپ نے ٹھیک کیا صاحب جو پاکستان چھوڑ کر بیرون ملک چلے گئے لیکن یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ انگلینڈ کی شہریت لینے کے باوجود آپ نے پاکستان کو مقدم کیوں رکھا ہوا ہے۔وہاں اتنا کاروبار ہونے کے باوجود آپ بار بار پاکستان کیوں آجاتے ہیں اور پاکستان آکر بھی کسی اچھے شہر میں رہنے کے بجائے ہمارے ساتھ اس چھوٹے سے گاؤں میں آکر رہتے ہیں اور آپ کا دھیان گاؤں اور علاقے کے مسائل پر ہی رہتا ہے۔''

''بات یہ ہے دوست''، وہ شخص جو بات سن رہا تھا،اس نے جوابی گفتگو شروع کی:

'' اپنے ملک کی قدر ہی دوسرے ملک میں جا کر ہوتی ہے۔دوسرا وہاں کے نظام میں موجود خوبیاں دیکھ کر دل کرتا ہے کہ یہ خوبیاں ہمارے ملک کے نظام میں بھی ہوں۔گو کہ ہر حوالے سے حالات خراب ہیں لیکن میں مایوس نہیں۔ہم محنت سے لوگوں کی ذہن سازی کریں گے کہ وہ اس نظام کی تبدیلی کے لیے جدوجہد کریں۔'' جب وہ اٹھنے لگے تو اس نے چائے کے کپ کے ساتھ پانچ پانچ سو روپے کے دو نوٹ رکھے اور سب لوگ وہاں سے چل

پڑے۔اس سے پہلے کہ چائے والا برتن اٹھانے آتا گڈو نے فوراً پانچ سو روپے کا نوٹ اٹھایا اور اڑ کر فہد کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ چائے والا لڑکا جب پیسے اٹھانے آیا تو وہ یہی سمجھا کہ چائے کا بل تو بہت کم بنتا ہے یہ پانچ سو روپے تو زیادہ ہیں ہمیشہ کی طرح۔وہ یہ سمجھا کہ اس بار زیادہ ٹپ دی گئی ہے اس کا دھیان اس طرف نہ گیا کہ پانچ سو روپے اور بھی تھے۔رات کو فہد سے بات کرتے ہوئے گڈو نے بتایا کہ مایوسی کی فضا میں کچھ لوگ اب بھی امید کی کرن ہیں اور یوں اسے بیرون ملک سے آئے اس شخص کی ساری گفتگو کہہ سنائی۔فہد یہ ساری بات سن کر بہت خوش ہوا اور گڈو سے کہنے لگا:

''انسان کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔کیسی ہی تاریکی کیوں نہ ہو۔امید کے چراغ کو بجھنے نہیں دینا چاہیے۔''یہ کہتے ہوئے فہد نے گڈو سے کہا کہ کل وہ یہ دو ہزار روپے پولیو ورکر کے گھر پھینک دے لیکن اس طرح پھینکے کہ وہ یہ پیسے دیکھ لیں کیوں کہ پیسے دیکھنے میں دیر ہوگئی تو پولیو ورکر کے بھائی کو سکول سے نکال دیا جائے گا۔

اگلی صبح گڈو چونچ میں دو ہزار روپیہ دبا کر پولیو ورکر کے صحن میں موجود بیری پر جا بیٹھا۔اس نے دیکھا کہ پولیو ورکر اپنی پولیو ٹیم کے ساتھ جانے کے لیے تیاری کر رہی ہے اور اس کی ماں صحن میں ناشتہ بنا رہی ہے۔آگ ٹھیک طرح سے نہیں جل پا رہی تھی وہ کبھی خود کو اور کبھی اپنے نصیبوں کو کوستی۔گڈو نے موقع پا کر دو ہزار روپے صحن میں رکھی چار پائی پر رکھ دیے اور خاموشی سے اڑ کر واپس بیری کے درخت پر جا بیٹھا۔ پولیو ورکر ناشتہ کر کے چار پائی پر رکھے تولیے سے ہاتھ صاف کرنے آئی تو اس نے دیکھا کہ چار پائی پر دو ہزار روپے پڑے ہیں۔

''یہ پیسے کہاں سے آئے ہیں؟''اس نے ماں سے پوچھا۔

''کون سے پیسے؟''

''یہ دیکھیں چارپائی پر دو ہزار روپے رکھے ہوئے ہیں۔'' پولیو ور کرنے پیسے ہاتھ میں اٹھا کر ماں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ماں نے حیرت سے پہلے تو پیسوں کی طرف دیکھا اور پھر انھی حیرت بھری نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں سے ملے ہیں تمھیں؟''

''یہاں چارپائی کے سرہانے پڑے ہوئے تھے۔''

''میں سمجھ گئی بیٹا۔''اماں نے خودکلامی کے انداز میں کہا۔

''میں نے کچھ لوگوں سے ادھار مانگا تھا اور انھوں نے مجھے ٹال دیا تھا۔یقیناً انھی میں سے کسی نے مجھے ادھار دینے کے بجائے خفیہ طریقے سے میری مدد کرنے کو ترجیح دی۔سچ کہتے ہیں کہ ہمیں لوگوں سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔دیکھو کیسے کیسے رحم دل انسان ابھی بھی موجود ہیں۔''

''ٹھیک کہتی ہو اماں۔آج کل کے زمانے میں بھی اچھے لوگ موجود ہیں۔اب میرے بھائی کو سکول سے نہیں نکالا جائے گا۔میں آج ہی یہ فیس سکول میں جمع کرواتی ہوں۔تم گھر کے خرچے کی فکر نہ کرو۔اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست ہو ہی جائے گا۔''

اگلے ہفتہ گڈو شام کو جب ان تمام گھروں میں پیسے پھینک کر واپس لوٹا تو اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔فہد گڈو سے کہنے لگا: ''گڈو یار آج تو خوشی کا دن ہے۔تم اداس کیوں ہو؟ کہیں تم نے جن گھروں سے پیسے اٹھائے تھے،ان کے گھروں میں پیسے پھینکتے ہوئے کوئی غلطی تو نہیں کر دی۔''

''نہیں فہد ایسا نہیں۔''

''پھر کیا پریشانی ہے گڈو؟''

''بات یہ ہے کہ آج جب میں ہوٹل سمیت تمام گھروں میں پیسے پھینکنے کے بعد گاؤں کی سڑک کو بڑی سڑک سے ملانے والی جگہ پر واقع ایک درخت پر کچھ دیر ستانے کے لیے بیٹھا تھا تو اس کے سائے میں بیٹھے ہوئے دو لوگ مشتاق نامی کسی شخص کی بھینس چرانے کی بات کر رہے تھے۔ میرے پہنچنے سے پہلے وہ تمام پلان بنا چکے تھے۔ میں نے بس آخری کچھ جملے سنے جس میں بھینس کو کھول کر سڑک تک پہنچانے کو اصل کام قرار دیا جا رہا تھا۔'' گڈو کی بات سن کر فہد پریشان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یہ چاچا مشتاق کی بھینس چوری کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔

(7)

چاچا مشتاق نے ڈیرے پر مال مویشی رکھے ہوئے تھے۔ چاچا مشتاق بہت اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ پورا گاؤں انھیں چاچا مشتاق ہی کہتا تھا۔

''گڈو! یار یہ تو واقعی پریشانی والی بات ہے۔'' فہد نے کہا۔

''ہے تو پریشانی کی بات لیکن میرے پاس اس کا ایک حل ہے۔ وہ یہ کہ تم مجھے ایک پرچی پر لکھ دو کہ چاچا مشتاق کی بھینس چوری ہونے والی ہے۔ میں وہ پرچی چاچا مشتاق کے گھر پھینک دیتا ہوں۔ اگر کسی بندے کے ذریعے سے پیغام بھجوایا تو تم پر شک کیا جائے گا کہ تمھیں کس نے بتایا۔'' گڈو نے فہد کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

گڈو کی یہ بات سن کر فہد بہت خوش ہوا:

''گڈو یار تم نے تو سارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔ اس طرح نہ صرف ہم چاچا مشتاق کی بلکہ ساری وادی کہون کے لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں۔''

فہد نے گڈو کو ایک پرچی پر یہ عبارت لکھ کر دی کہ:

''چاچا مشتاق! آپ کی بھینس چوری ہونے والی ہے۔''

گڈو وہ پرچی لے کر اڑا اور چاچا مشتاق کے ڈیرے کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ گڈو نے دیکھا کہ چاچا مشتاق اپنے ملازم کو کام کی ہدایت دے رہے ہیں اور ساتھ ہی حقہ بھی پی رہے

ہیں ۔گڈو نے وہ پرچی چاچا مشتاق کے سامنے پھینک دی اور اڑ کر ڈیرے کے صحن میں لگے شہتوت کے درخت پر بیٹھ گیا۔ چاچا مشتاق نے پرچی پر دھیان دینے کے بجائے گڈو کو دیکھنا شروع کر دیا اور اپنے ملازم سے کہا دیکھو کتنا خوب صورت کبوتر ہے ۔ایسے کبوتر اب بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں ۔گڈو نے دل ہی دل میں یہ دعا کرنی شروع کر دی کہ چاچا مشتاق کا دھیان اس پرچی کی طرف جائے لیکن چاچا مشتاق حقہ پینے اور ملازم کو ہدایت کرنے میں ہی مصروف رہے ۔گڈو مغرب کی اذان تک وہیں بیٹھا رہا اور پھر اڑ کر فہد کے گھر آ گیا۔

''کیا بنا گڈو ۔''فہد نے گڈو کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''کچھ نہیں بن پڑا۔'' چاچا مشتاق نے پرچی دیکھنے کے باوجود دھیان نہیں دیا۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔گڈو چلو ایسا کرتے ہیں کل شام ان کے گھر نئی پرچی پھینک آتے ہیں ۔دن کو تو چاچا مشتاق جنگل میں ہوتے ہیں اور ان کی بھینسیں بھی ان کے ساتھ ہوتی ہے ۔وہ شام کو واپس آتے ہیں اور ویسے بھی جس نے بھینس چوری کرنی ہوگی وہ رات کو ہی کرے گا۔بس تم یہ دعا کرو کہ آج رات کچھ نہ ہو، ویسے تو چاچا مشتاق کو موبائل سے فون کر کے بھی بتایا جا سکتا ہے لیکن آج کل ہر شخص کی سم اس کے نام پر ہے ۔ چاچا مشتاق پتا کروالیں گے کہ فون کس نے کیا۔اس طرح ہمارے لیے مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔''فہد نے وضاحت کی۔

''ٹھیک ہے ۔کل شام کو دوبارہ پرچی پھینک دیں گے ۔'' گڈو نے جواب دیا۔

اگلی صبح جب فہد سکول جانے کی تیاری کر رہا تھا تو اس کے ایک رشتہ دار نے فہد کے گھر آ کر بتایا کہ چاچا مشتاق کی بھینس چوری ہوگئی ہے ۔فہد کو یہ سن کر بہت دھچکا لگا اور وہ خود کو ایک طرح سے اس چوری کا ذمہ دار قرار دینے لگا اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔اس کی امی نے فہد کو یوں خاموش اور اداس دیکھا تو پوچھا:

''کیا ہوا بیٹا اتنے چپ کیوں ہو، آج کل تم ویسے بھی ہم سے زیادہ بات نہیں کرتے۔ سرِ شام ہی اوپر کمرے میں چلے جاتے ہو اور اکثر رات کو بھی ادھر ہی رہتے ہو۔ چلو یہ اچھی بات ہے کہ تمھاری پڑھائی کی آوازیں نیچے آتی رہتی ہیں۔ لگتا ہے کہ تم گڈو کی وجہ سے زیادہ وقت وہاں گزارتے ہو۔''

''نہیں امی اصل بات یہ ہے کہ اس دفعہ بورڈ کا امتحان ہے جس کی تیاری ابھی سے شروع کرنی ہے۔'' یہ کہہ کر فہد اٹھا اور امی کو سکول جانے کے لیے خدا حافظ کہا۔ شام کو جب فہد نے گڈو کو بتایا کہ چاچا مشتاق کی بھینس چوری ہوگئی ہے تو گڈو نے کہا کہ اس نے چاچا مشتاق کے ڈیرے پر لوگوں کا ہجوم دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ بھینس چوری ہو چکی ہے۔ یہ کہتے ہوئے گڈو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''فہد ہمیں لوگوں کی مدد کا کوئی حل نکالنا ہوگا۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ کس طرح اپنا پیغام ان لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں، جن کی مدد کرنا مقصود ہو۔''

اچانک فہد کو ایک ترکیب سوجھی کہ کیوں نہ ہم پرچی کے بجائے لفافے کا استعمال کریں:

''گڈو! ہم پرچی کے بجائے لفافے پر اس بندے کا نام لکھ کر اس کے صحن میں لفافہ پھینک دیا کریں۔ اس سے یہ تاثر ملے گا کہ یہ خط اس شخص کے نام ہے اور وہ اسے کھول کر پڑھے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ ہم یہ خط دروازے پر نہیں پھینکیں گے کیوں کہ اسے کوئی اور اٹھا کر لے جا سکتا ہے اور ویسے بھی جب اس طرح خط ملے گا تو لوگ ڈاک خانے والوں سے پوچھیں گے کہ خط کہاں سے آیا۔ سو اس طرح بات پھیل جانے کا اندیشہ ہے تم ایسا کرنا کہ خط صحن میں پھینک آیا کرنا۔'' گڈو کو فہد کا یہ پلان بہت پسند آیا۔

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ سارے علاقے میں ملوٹ کے راجہ طلعت کی مشہور گھوڑی

چاندی کے چوری ہونے کی خبر پھیل گئی، راجہ طلعت اپنے علاقے کے بہت معروف آدمی تھے اور ان کی گھوڑی چاندی کی شہرت بھی دور دور تک تھی ۔وہ گھوڑی نیزہ بازی کے مقابلوں میں حصہ لیا کرتی تھی اور رقص میں بھی مہارت رکھتی تھی۔گھوڑی سہ پہر کے وقت راجہ طلعت کے ڈیرے کے پاس چرتی ہوئی دیکھی گئی لیکن اس کے بعد گھوڑی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ راجہ طلعت نے پولیس کی مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ پولیس نے شک کی بنیاد پر بہت سے لوگوں کو گرفتار بھی کیا۔راجہ طلعت نے گھوڑی کا پتا بتانے والے کے لیے انعام کا اعلان بھی کیا لیکن کسی طرف سے کوئی سراغ نہ ملا۔فہد تک یہ بات پہنچی تو فہد کے دل نے گواہی دی کہ گڈو اس مسئلے کا حل نکال لے گا۔

''گڈو دو دن گزر گئے گھوڑی کا کوئی سراغ نہیں ملا۔گھوڑی کی اہمیت اپنی جگہ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پولیس نے شک کی بنیاد پر بہت سے لوگوں کو پکڑ رکھا ہے۔تم ایسا کرو، وہاں جا کرلوگوں کی باتیں سنو، امید ہے کوئی نہ کوئی سرا مل جائے گا۔تمھیں اگر کوئی رات قلعہ ملوٹ پر گزارنی پڑتی ہے تو گزار لینا کیوں کہ اکثر گاؤں اور مضافاتی علاقے کے لوگ قلعہ ملوٹ پر بیٹھے رہتے ہیں۔''

''تم فکر نہ کرو فہد میں چاندی کا سراغ لگا کے رہوں گا۔تمھیں کیا معلوم میں نے چاندی کو بہت مرتبہ قریب سے دیکھا ہے میں اکثر جب قلعہ ملوٹ پر بیٹھتا تو چاندی کو وہاں چرتے ہوئے دیکھتا، چاندی اپنے سفید رنگ کی وجہ سے دور سے ہی نظر آجاتی تھی۔''

شام ہونے والی تھی گڈو نے سارا دن لوگوں کی باتیں سننے میں گزار دیا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ ہر کوئی چاندی کے گم ہو جانے پر پریشان تھا اور اس کے مل جانے کی دعائیں کر رہا تھا۔گڈو نے رات قلعہ ملوٹ پر گزارنے اور اس سے پہلے کلر کہار جھیل کا نظارہ کرنے کا ارادہ

کیا۔گڈو نے جیسے ہی کلر کہار کی جھیل کی طرف جانے کے لیے اونچی اڑان بھری اسے کچھ ہی فاصلے پر موجود ایک کھائی میں سفیدی سی نظر آئی۔گڈو نے اپنی پرواز نیچی کی اور یہ دیکھ کر بھونچکا سا ہوگیا کہ چاندی اس کھائی میں گری ہوئی ہے۔گڈو چاندی کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور دیکھا کہ چاندی کی حالت بہت خراب ہے، اس کی ٹانگیں اور گردن بہت زخمی ہیں لیکن وہ ٹھیک طریقے سے سانس لے رہی ہے۔سو اس نے سوچا اس سے پہلے کہ فہد کے گھر تک جانے اور پھر راجہ طلعت تک خبر پہنچانے میں دیر ہو جائے ان کا دھیان کسی طریقے سے کھائی کی طرف کروایا جائے۔گڈو یہ خبر فہد تک پہنچانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ لوگوں کی آپس میں گفتگو کی آواز سنائی دی۔گڈو کھائی سے اڑ کر کھائی کنارے اگے ایک درخت پر بیٹھا ہی تھا کہ اسے تیتروں کی تلاش میں گھومتی ایک شکار پارٹی نظر آئی۔گڈو نے اڑان بھری اور اس درخت کی شاخوں پر جا بیٹھا، جس کے نیچے شکار پارٹی کا لیڈر اپنے دوست کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔شکار پارٹی میں سے ایک بندہ اپنے لیڈر کو سمجھا رہا تھا کہ ہمیں اس طرف شکار کرنے نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس جگہ کے بارے میں بزرگوں سے سنا ہے کہ یہاں بد روحوں کے ڈیرے ہیں۔اسی دوران گڈو نے کھائی کی طرف اگی ہوئی گھاس میں چھپ کر اس نیت سے آواز دی کہ ان کا دھیان کھائی طرف ہو گا۔ اس سے پہلے کے گڈو کچھ اور کہتا، انھوں نے پہلے تو آس پاس دیکھا اور شکاری پارٹی کے لوگوں کو نزدیک نہ پا کر ان میں سے ایک زور سے چیخا۔بھاگو کوئی بدروح آ گئی ہے۔ یہ سننا ہی تھا کہ تمام لوگ اپنا اسلحہ چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئے۔گڈو کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔اب اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا چناں چہ اس نے اڑان بھری اور فہد کے گھر جا پہنچا۔

”فہد یار جلدی کرو مجھے ایک پرچی پر یہ عبارت لکھ کر اسے لفافے میں بند کردو کہ

گھوڑی قلعہ ملوٹ کے قریب ایک کھائی میں زخمی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔"ساتھ ہی اس نے ایک ہی سانس میں ساری روداد سنا دی۔

"یار گڈو یہ اطلاع تو ویسے بھی دی جا سکتی ہے۔"

"نہیں فہد ایسے نہیں، ایک تو شکار پارٹی خوف کا شکار ہو کر عجیب وغریب باتیں پھیلائے گی اور لوگ عجیب وغریب کہانیاں بنائیں گے۔ دوسرا اطلاع دینے والے سے بھی لوگ طرح طرح کے سوال کریں گے۔ سو بہتر یہ ہے کہ مجھے لفافے کے اندر پرچی ڈال کر یہ عبارت لکھ دو کہ گھوڑی چشمے والی کھائی کے اندر گری ہوئی ہے۔"

فہد نے خط کے اندر یہ عبارت لکھ کر گڈو کو تھما دی اور اسے جلدی جلدی ملوٹ پہنچنے کو کہا۔

"تمھیں راجہ طلعت کا گھر ڈھونڈنے میں مشکل نہیں ہوگی جس گھر میں لوگوں کا زیادہ ہجوم ہو سمجھ لینا وہ راجہ طلعت کا گھر ہے۔ راجہ طلعت کا ڈیرا بھی اس کے گھر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔" گڈو نے لفافہ لے کر ملوٹ کی طرف اڑان بھری۔ گڈو راجہ طلعت کے ڈیرے پر پہنچا تو دیکھا کہ لوگ تو ڈیرے کے مرکزی صحن میں بیٹھے ہیں لیکن راجہ طلعت ڈیرے کے عقبی چھوٹے صحن میں چارپائی پر نیم دراز آنکھیں بند کر کے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں حرکت کی بتا رہی تھی کہ وہ سو نہیں رہا۔ گڈو نے موقع غنیمت جانا اور خط راجہ طلعت کے اوپر پھینک دیا۔ راجہ طلعت نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کبھی وہ خط کی طرف دیکھتا اور کبھی آس پاس نظریں دوڑاتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ خط کہاں سے آیا ہے۔ راجہ طلعت نے خط کھولے بغیر اپنے چھوٹے بھائی کو آواز دی، چھوٹے بھائی کے آنے پر راجہ طلعت نے کہا:

"یہ دیکھو خط۔"

''بھائی اس میں حیرت کی کیا بات ہے خط ہی تو ہے۔''اس کے بھائی نے کہا۔

''او بے وقوف خط آیا کہاں سے۔''

''بھائی کوئی دے گیا ہوگا۔''

''دے کہاں گیا یہ خط تو ابھی میرے اوپر گرا ہے۔''راجہ طلعت نے وضاحت کی اور یہ کہتے ہوئے خط کو کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ خط کے اندر لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر راجہ طلعت کے جسم کے اندر بجلی سی دوڑ گئی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ راجہ طلعت کو اس تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھتے اور چھوٹے بھائی کو اس کے پیچھے بھاگتا دیکھ کر مزید کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

''بھائی کہاں جانا ہے؟''راجہ طلعت کے بھائی نے پوچھا۔

''چشمے کے پاس جو کھائی ہے وہاں چلو۔ چاندی وہاں ہے۔''یہ بات سن کر راجہ طلعت کے چھوٹے بھائی اور دوسرے تمام لوگوں میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی اور تمام لوگوں نے مزید تیز چلنا شروع کر دیا۔ کھائی کے کنارے پہنچ کر انھوں نے کھائی میں جھانک کر دیکھا تو چاندی واقعی کھائی کے اندر گری ہوئی تھی۔ ہر طرف شور مچ گیا۔ کوئی رسیاں لینے کے لیے بھاگ رہا تھا تو کوئی چاندی کو پانی پلانے کے لیے بالٹی لینے گاؤں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ گھنٹے بھر کی تگ و دو کے بعد گاؤں والوں نے چاندی کو کھائی سے باہر نکال لیا۔ چاندی کے جسم پر بہت سارے زخم تھے، جن میں سے کچھ گہرے اور کچھ ابھرے تھے۔ تاہم گاؤں والے اس بات سے خوش تھے کہ چاندی مری نہیں۔ لوگوں نے راجہ طلعت کو تسلی دی کہ اس کے زخم جلد بھر جائیں گے۔ اور کچھ ہی دنوں میں چاندی صحت مند ہو جائے گی۔

''نہیں مجھے زخموں کی کوئی خاص پریشانی نہیں۔ مجھے خود بھی ایسے بہت سے طریقے

معلوم ہیں جن سے زخموں کو ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ مجھے فی الحال صرف یہ پریشانی ہے کہ چاندی بے چاری دو دن سے بھوکی، پیاسی کھائی میں پڑی رہی۔" گھر واپس آ کر راجہ طلعت نے ایک بڑی دعوت کا اعلان کیا۔ خط والی بات کا تذکرہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کچھ دن بعد راجہ طلعت نے اپنے بھائی کے ساتھ دوبارہ اس خط کی بات کی اور کہا:

"میں خط والی بات کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، پہلی بات یہ کہ وہ خط کس نے پھینکا، دوسری بات یہ کہ خط میں لکھی ہوئی بات بھی سچ نکلی، تیسری بات یہ کہ جس نے بھی خط پھینکا وہ سامنے آ کر یہ بات بتا سکتا تھا۔ اسے چوروں کی طرح یہ بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور وہ ہم سے انعام بھی پا سکتا تھا، ان ساری باتوں کو سوچ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خط پھینکنے والا ہی دراصل گھوڑی کو اس طرف لے جانے والا ہے۔ اس نے گھوڑی کو کھائی میں پھینکا اور بعد میں نہ جانے کس وجہ سے ہمیں خبر کروا دی۔

"بھائی جان آپ کے اندیشے ٹھیک سہی لیکن ہمیں اس بات پر شکر کرنا چاہیے کہ چاندی مل گئی ہے۔ میں خود اس سارے معاملے پر حیران ہوں، خاص طور پر اس بات سے کہ ڈیرے کے عقبی صحن میں خط کا آپ تک پہنچنا۔ آپ اس بات کو وقت پر چھوڑ دیں۔ یہ معمہ خود ہی حل ہو جائے گا کہیں جلد بازی میں ہم کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھیں۔ پہلے بھی پولیس والوں نے شک کی بنیاد پر بہت سے لوگوں کو پکڑ لیا۔ اگر چاندی نہ ملتی تو ان بے گناہوں کے ساتھ پولیس نہ جانے کیا کرتی۔ فی الحال آپ اس بات پر خدا کا شکر ادا کریں کہ چاندی مل گئی۔"

(8)

گڈو اور فہد چاندی کے مل جانے پر بہت خوش تھے اور اس بات پر فخر کر رہے تھے کہ قدرت نے ایک نیک کام ان سے کروایا۔

''گڈو یار کتابوں میں ٹھیک لکھا ہے کہ اصل راحت تو کسی کو سکھ دینے میں ہے۔''

''ٹھیک کہا فہد قدرت نے جو لطف کسی کی مدد کرنے میں رکھا ہے وہ کسی اور بات میں نہیں۔''

''لیکن فہد اس بات کا دھیان رکھنا کہ لفافے والا طریقہ ہمیشہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ اس حوالے سے افواہیں گردش کرنا شروع ہو جائیں گی۔''

''بات تو تمھاری ٹھیک ہے گڈو۔ لیکن ابھی تک نہ تو چاچا مشتاق نے کسی سے پرچی والی بات کی ہے اور نہ راجہ طلعت نے۔ اگر وہ یہ بات کسی سے کرتے تو یہ بات ضرور ہم تک پہنچ چکی ہوتی۔ گاؤں میں ایسی باتیں بہت جلدی پھیل جاتی ہیں لیکن پھر بھی ہمیں اس معاملے میں اب احتیاط کرنی چاہیے۔ چلو ایک آدھ دفعہ اور لفافے والا کام کریں گے اس کے بعد لوگوں کی مدد کے لیے کوئی اور راستہ نکالیں گے اور ویسے بھی کچھ عرصے بعد جیسا کہ تم نے بتایا تھا، تمھاری غیبی صلاحیتیں بھی بیدار ہو جائیں گی پھر اس صلاحیت کی مدد سے ہم لوگوں کی مدد کریں گے۔''

محمد رشید صاحب کا ڈیرا، گاؤں سے تھوڑا ہٹ کر تھا۔ رشید صاحب کو تمام لوگ حاجی رشید کہہ کر بلاتے تھے۔ انھوں نے کافی عرصہ بیرون ملک نوکری کی۔ واپسی پر انھوں نے گاؤں سے باہر ڈیرا بنالیا۔ ان کے تمام بیٹے برسرِ روزگار تھے لہٰذا انھوں نے حاجی صاحب کو مزید نوکری کرنے سے روک دیا۔ اب وہ زیادہ تر وقت مسجد میں گزارتے، لوگ اپنے معاملات کے لیے ان کے پاس آتے اور حاجی رشید اپنی دانائی سے انھیں حل بتاتے۔ حاجی رشید کو کبوتر پالنے کا بہت شوق تھا وہ اکثر کبوتروں کے کمرے میں بیٹھے رہتے۔ کمرے کے آگے بہت بڑا لوہے کا جالا بھی بنا ہوا تھا۔ جالے کی اونچائی چھت سے بھی کچھ زیادہ تھی۔ کبوتر اپنی مرضی سے کبھی جالے کے اوپر بیٹھتے تو کبھی کمرے کے اندر جاتے۔ کبوتر پروری کے حوالے سے حاجی رشید کی شہرت دور دور تک تھی۔

وعولہ اور ڈلوال کے لوگ ایک دوسرے کے گاؤں میں آنے جانے کے لیے جو راستہ اختیار کرتے تھے اس کے وسط میں، راستے سے ہٹ کر ایک پرانا مکان تھا، جسے لوگ جاگو والی ڈائن کا گھر کہتے تھے۔ کہانی کچھ یوں تھی کہ ڈلوال گاؤں کے نزدیک جو پانی کا ایک بڑا تالاب ہے اسے مقامی لوگ ''جاگو والی بن'' کہتے ہیں۔ بزرگ بتاتے ہیں کہ وہاں ایک ڈائن صبح صبح آوازیں لگایا کرتی: ''جاگو جاگو!'' گاؤں والوں نے مل کر کسی پیر کو بلایا تو اس کے عمل سے وہ ڈائن وہاں سے چلی گئی لیکن کچھ دہائیوں کے بعد یہ سننے میں آیا کہ اس ڈائن نے وعولہ اور ڈلوال کے بیچ ایک حویلی پر قبضہ کر لیا ہے۔ پہلے زمانے میں وہ حویلی ہندوؤں کے پاس تھی، پاکستان بننے کے بعد وہ حویلی کچھ عرصہ ویران پڑی رہی۔ پھر اسے کچھ چرواہوں نے اپنا مسکن بنالیا۔ بہت عرصے تک چرواہے اس میں مقیم رہے اور ان کے جانے کے بعد حویلی کی حالت بہت خستہ ہوگئی۔ اس کے کئی کمرے اور دیواریں منہدم ہو

گئیں۔ دس بارہ سال پہلے اس حویلی کے حوالے سے یہ خبریں آنا شروع ہوگئیں کہ جاگو والی ڈائن واپس اس گھر میں آ گئی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس ڈائن کو دیکھا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے عجیب وغریب واقعات اس گھر کے بارے میں مشہور تھے۔ کوئی اس طرف جانے کا سوچتا بھی نہیں تھا۔ لوگ اپنے جانوروں کو بھی اس طرف نہیں جانے دیتے تھے۔

آج جب فہد نے گڈو کو بطورِ خاص تاکید کی کہ وہ جاگو والی بلا کے گھر کی طرف نہ جائے تو گڈو کی طرف سے وجہ دریافت کرنے پر فہد نے شروع سے لے کر آخر تک گڈو کو جاگو والی ڈائن کی کہانی سنائی اور اسے بتایا کہ کس طرح دوسرے گاؤں سے فہد کے گاؤں آتے ہوئے اس کے ایک رشتہ دار نے جاگو والی ڈائن کو دیکھا۔ گڈو کو یہ باتیں ہضم نہ ہوئیں چنانچہ اس نے کہا:

''فہد یار یہ کٹاس سے زیادہ پراسرار جگہ تو نہیں۔ کٹاس کے حوالے سے باتیں تو بہت ہیں لیکن اس طرح کا گواہ موجود نہیں کہ جو یہ کہہ سکے کہ ہم نے اس ڈائن کو یا بدروح کو دیکھا۔ ایسی چیزیں تو خود انسانوں سے دور بھاگتی ہیں۔ جب تک انھیں تنگ نہ کیا جائے یہ انسانوں کو تنگ نہیں کرتیں۔''

''گڈو مجھ سے اس بات پر بحث نہ کرو۔ کیا اتنے زیادہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں جنھوں نے اس ڈائن کو دیکھا۔ اس کی آواز سنی۔ اس کے علاوہ اس جگہ کے نزدیک لوگوں کے ساتھ اور ابھی پراسرار واقعات ہوئے۔'' گڈو جواباً فہد کے ساتھ اور بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور دل ہی دل میں ارادہ کرلیا کہ وہ جاگو والی ڈائن کا معمہ حل کر کے چھوڑے گا۔

جاگو والی ڈائن کی حویلی پر گڈو نے سات دن لگاتار پرواز کی۔ یہ تمام پروازیں دن کے وقت کی گئی تھیں۔ آج آٹھویں دن اس نے سوچا کہ وہ رات کو جاگو والی ڈائن کی

حویلی جائے گا کیوں کہ گزشتہ سات دنوں کے چکروں سے اس کے ہاتھ کوئی قابل ذکر بات نہیں لگی تھی۔ شام کو گڈو نے فہد سے کہا کہ کل وہ ذرا دیر سے آئے گا کیوں کہ وہ کلر کہار کی جھیل پر جانا چاہتا ہے۔ فہد نے اسے اجازت دے تو دی لیکن یہ تاکید بھی کی زیادہ دیر نہ لگائے۔ شام ڈھلتے ہی واپس آجائے۔ گڈو نے اثبات میں سر ہلایا اور کھڑکی سے باہر اڑان بھر گیا۔

گڈو سر شام ہی اپنے پسندیدہ مقام قلعہ ملوٹ پر جا کر بیٹھ گیا اور اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے دل میں سوچا کہ وہ فہد سے دیر سے آنے کا کا کوئی بہانہ کر دے گا لیکن آج جاگو والی ڈائن کی حویلی ضرور اترے گا۔ جیسے ہی اندھیرا پھیلا۔ گڈو نے جاگو والی حویلی کے گرد نچلی اڑان کا چکر کاٹا اور ایک نزدیکی درخت کی چوٹی پر جا بیٹھا۔ دوسری مرتبہ پرواز کرتے ہوئے وہ حویلی کے اوپر آ کر بیٹھ گیا۔ جوں ہی وہ حویلی کی منڈیر پر بیٹھا اس نے دیکھا کہ حویلی کے اندر ایک بہت ہی ڈراؤنی مخلوق کھڑی ہے، جس کے جسم پر لمبے لمبے بال ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ موبائل پر کسی سے بات کر رہی ہے۔ گڈو نے جب اس کی باتوں کی طرف دھیان لگانے کی کوشش کی وہ اپنی بات مکمل کر چکی تھی۔ اس کے کانوں میں اس کے آخری الفاظ پڑے: ''اب کل بات کریں گے۔''

یہ کہہ کر وہ مخلوق حویلی کے ایک ایسے کمرے کے اندر چلی گئی جو بظاہر بہتر حالت میں تھا۔ گڈو نے وہاں رکنا اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ فہد اس کا انتظار کر رہا ہو گا۔ گڈو کے لیے یہ بات بہت پریشانی اور حیرانی کی تھی کہ ایک طرف تو وہ مخلوق بہت ڈراؤنی تھی اور دوسری طرف وہ موبائل پر کسی سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ بھلا اس طرح کی مخلوق کا موبائل سے کیا تعلق۔ ہاں اسے فہد نے یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ ڈائن عام انسانوں کی طرح باتیں کرتی ہے۔ لیکن اب گڈو کا دل یہ گواہی دے رہا تھا کہ یہ سارا چکر کچھ لوگوں کا رچایا ہوا ہے۔ گڈو کے دیر سے گھر

پہنچنے پراس نے دیکھا کہ فہد پریشانی کے عالم میں کمرے کے اندر چل رہا ہے۔

''گڈو! تم کہاں رہ گئے تھے؟ میرا دل بہت پریشان ہو رہا تھا۔ دل میں عجیب وسوسے اٹھ رہے تھے، کبھی خیال آتا کہ تمھیں کسی نے پکڑ لیا ہوگا، کبھی خیال آتا کہ تم اپنی مرضی سے چلے گئے ہو۔شکر ہے کہ تم واپس آگئے۔''

''میں کہیں نہیں جا سکتا تم فکر نہ کیا کرو۔ میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔تمھارے میرے تعلق کی بنیاد میں کسی طرح کا لالچ نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہا تم نے لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اتنی دیر کیوں لگائی۔''

''یار وہ دراصل کلر کہار کی جھیل پر بیٹھا رہا۔وقت گزرنے کا احساس نہیں رہا۔''

''مہربانی کرکے آئندہ اس بات کا خیال رکھنا۔''

''ٹھیک ہے فہد آئندہ خیال رکھوں گا۔''

''ٹھیک ہے میں نیچے جاتا ہوں۔آج میں چھوٹے بہن بھائی کے ساتھ سوؤں گا۔'' یہ کہہ کر فہد نیچے چلا گیا۔ اگلی صبح جب فہد گڈو کو کھلی فضا میں چھوڑنے کے لیے کھڑکی کھولنے کمرے کی طرف آیا تو اس نے بتایا:

''رات ایک عجیب واقعہ ہوا۔تفصیل تمھیں رات کو بتاؤں گا اب اتنی ہی بات سن لو جاگو والی ڈائن نے کل رات میرے کزن کو گاؤں آتے ہوئے راستے میں ڈرایا ہے۔ڈائن اس کے سامنے آگئی وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔شکر ہے اس کی جان بچ گئی۔''

یہ کہہ کر فہد نے کمرے کی کھڑکی کھول دی۔گڈو کے پرواز کر جانے کے بعد کھڑکی بند کر کے نیچے آ گیا اور سکول جانے کی تیاری شروع کر دی۔گڈو سارا معاملہ سمجھ چکا تھا۔اس نے مزید تصدیق کے لیے دوبارہ ڈائن والی حویلی کی طرف پرواز شروع کی۔وہ گھر کے ایک

گرے ہوئے کمرے کے ملبے پر بیٹھ گیا۔جو اس کمرے کے سامنے تھا،جس کے اندر رات کو اس نے عجیب وغریب مخلوق کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔گڈو کو کمرے کے اندر سے باتوں کی آواز آئی اور وہ کمرے کے سامنے اگی ہوئی گھاس کے اندر چھپ کر باتیں سننے لگا۔

''جناب آپ زمین کا سودا کریں آپ کو بہت کم ریٹ پر اس گھر کے آس پاس کی زمین مل جائے گی۔جب آس پاس کی زمین آپ کو مل جائے گی تو اس گھر پر آپ ویسے ہی قبضہ کر لینا ہم نے بھی اسے بہت عرصہ سے اپنے مطلب کے لیے استعمال کر لیا۔ہم نے یہاں بہت مرتبہ منشیات اور اسلحہ اکٹھا کیا۔اس گھر کے آس پاس کی زمین کے اصل مالک تو ویسے ہی شہر شفٹ ہو چکے ہیں۔انھیں گاؤں کی زمین سے ویسے بھی دلچسپی نہیں۔رہی سہی کسر ہم نے ڈائن والا ڈراما رچا کر پوری کر دی۔''

گڈو سارا معاملہ سمجھ گیا وہ وہاں سے اڑ کر سیدھا فہد کی چھت پر بیٹھ کر فہد کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔گڈو نے دیکھا کہ فہد سکول سے واپسی پر نیچے رکنے کے بجائے سیدھا کمرے کی طرف آ رہا ہے۔کھڑکی کھولی تو گڈو کمرے کے اندر آ گیا۔

''گڈو یار تمھیں ایک بہت عجیب بات بتانی ہے۔رات میرا ایک کزن جاگو والی ڈائن کی حویلی کے پاس سے گزرتے ہوئے ڈر گیا۔وہ دوسرے گاؤں سے آ رہا تھا کہ رستہ بھٹک کر اس کا رخ ڈائن والی حویلی کی طرف ہو گیا۔اس نے دیکھا کہ ایک ڈائن جس کے سارے جسم پر بال ہیں اور وہ منہ میں کچے گوشت کا لوتھڑا چبا رہی ہے میرے کزن کی طرف بڑھی۔شکر ہے میرے کزن نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا اور وہاں سے بھاگ گیا۔پہلے اس ڈائن نے رکنے کا کہا۔جب وہ نہ رکا تو پیچھے سے 'جاگو جاگو' کی آوازیں آنے لگیں۔میرے کزن نے بتایا کہ اس کے ناخن اس کے ہاتھوں سے زیادہ لمبے تھے وہ بہت زیادہ ڈرا ہوا

ہے۔اس سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں ہو پا رہی۔ مجھے سکول میں کزن کے چھوٹے بھائی نے ساری بات بتائی۔"

فہد کی باتیں سن کر گڈو نے ڈرنے کے بجائے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔گڈو کا قہقہہ سن کر فہد کو بہت عجیب لگا۔

"کیا تم میری بات کو جھوٹ سمجھتے ہو؟" فہد نے غصے سے پوچھا۔

"تمھاری باتیں سچ ہوں گی لیکن میرے پاس ایک اس سے بھی بڑا سچ ہے۔"

اس کے بعد گڈو نے ڈائن والی حویلی کے بارے میں خود جو دیکھا اور سنا وہ فہد کو بتا دیا۔فہد گڈو کی بات سن کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"مطلب یہ ہے کہ اتنے عرصے سے وہاں پر منشیات اور اسلحہ ذخیرہ کیا جا رہا ہے اور ڈائن والے اس کھیل کا مقصد حویلی اور آس پاس کی زمین سستے داموں حاصل کرنا ہے۔ تمھارے خیال میں اب کیا کرنا چاہیے۔"

"فی الحال تو مجھے خود بھی کچھ نہیں سوجھ رہا۔" گڈو نے کہا۔"لیکن یہ سوچ کر بہت دکھ ہو رہا ہے کہ لوگوں نے کس طرح ایک جھوٹی کہانی پر یقین کیا۔بہت پہلے جب اس ڈائن والے قصے کا آغاز ہوا تھا۔ممکن ہے ان دنوں وہ بات سچ ہو لیکن اب تو یہ سراسر ڈراما ہے۔انسانیت کو لوٹنے کے لیے ایک ڈراما رچایا گیا ہے۔"

"لیکن اب اس عذاب سے علاقے والوں کو نجات کیسے دلائیں؟ اگر کسی سے بات کی تو کوئی ہمارا یقین نہیں کرے گا۔اگر پولیس کو اطلاع دی تو زیادہ امکان یہی ہے کہ ان لوگوں کے پولیس والوں سے بھی تعلقات ہوں گے۔کیا کیا جائے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ یہ کام وہی کرسکتا ہے جو خود ایک بہادر انسان ہو اور درد دل رکھتا ہو۔"

اس بارے میں سوچتے ہوئے فہد کے ذہن میں اچانک خالد محمود کا خیال آیا جو نزدیکی قصبے چو آسیدن شاہ میں ایک رفاہی کارکن کے طور پر کام کرتے تھے۔ یتیموں اور محتاجوں کی مدد کے لیے کوشاں رہتے۔ خالد صاحب ابتدائی زمانے میں سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے سیاست سے یہ کہہ کر کنارہ کشی اختیار کرلی کہ سیاست میں انسان متنازع ہو جاتا ہے۔ انسانیت کی خدمت کرنی ہو تو انسان کو غیر متنازع ہونا چاہیے۔ سیاست سے ہٹ کر بھی انسانیت کی خدمت کے لیے راستے موجود ہیں۔ فہد کو خالد صاحب کے بارے میں یہ ساری معلومات اس لیے بھی تھیں کہ وہ اکثر اس کے سکول میں مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیے جاتے تھے اور وہ غریب بچوں میں وظائف بھی تقسیم کرتے تھے۔ فہد نے جب گڈو سے خالد صاحب کے حوالے سے بات کی تو گڈو کے دل نے بھی اس بات کی گواہی دی کہ خالد محمود اس کام کے لیے ٹھیک آدمی ہیں۔ دونوں نے مل کر منصوبہ بنایا کہ فہد کل اسکول سے ان کے گھر کا پتا حاصل کرے گا اور گڈو کو ایک لفافے میں خالد صاحب کے نام خط ڈال کر دے گا اور وہ ان کے گھر پہنچا دے گا۔

## (9)

اگلے روز گڈو لفافہ لے کر خالد صاحب کے گھر کی دیوار پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ خالد صاحب اور ان کی بیوی بحث میں مصروف ہیں۔

''آخر آپ کو کیا ملتا ہے اس طرح کے کاموں سے۔ بہت ہو گئے یہ رفاہی کام اب بس کر دیں۔ کب تک اتنی مشکل سے کمائے ہوئے پیسے لوگوں پر خرچ کرتے رہیں گے اور کب تک اس طرح اور لوگوں سے غریبوں کے لیے فنڈز مانگتے رہیں گے۔ مجھے یہ بتائیں آپ نے بنایا ہی کیا ہے۔ لوگ رفاہی ادارہ کھولتے ہیں اور تھوڑے ہی دنوں بعد کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ آپ ہیں کہ اتنے عرصے سے یہ کام کر رہے ہیں لیکن کچھ نہیں بن سکا۔''

''میں اس کام میں کچھ بنانے کے لیے نہیں آیا۔'' خالد صاحب نے بیوی کی بات ٹوکتے ہوئے کہا: ''میں اس کام میں انسانیت کی خدمت کے لیے آیا ہوں۔ مجھے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو رفاہی کام کے نام پر لوگوں سے دھوکا کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے آپ لوگوں کے کام میں لگے رہیں۔''

یہ کہہ کر خالد صاحب کی بیوی غصے سے اٹھ کر اندر چلی گئی اور خالد صاحب ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر کے خود کلامی کے انداز میں کچھ کہنے لگے:

''کاش میری بیوی جان سکتی کہ انسانیت کی خدمت کرنے میں کیسی راحت ہے۔ اگر

اسے اس راحت کے کچھ لمحے نصیب ہوتے تو اسے اندازہ ہوجاتا کہ اصل سکون تو صرف خدمت میں ہے۔"

گڈو نے خالد صاحب کو آنکھیں بند کیے ہوئے دیکھا تو ان کے سامنے میز پر لفافہ رکھ کر اڑ گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے فہد کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ کس طرح خالد صاحب اور ان کی بیوی میں رفاہی کام کے حوالے سے بحث چل رہی تھی۔

"گڈو یار نہ جانے کب ہمارے لوگوں کو یہ احساس ہوگا کہ رفاہی کام کرنے والے لوگ ہی دراصل کسی معاشرے کی اصل روح ہوتے ہیں۔ افسوس کہ رفاہی کام کے نام پر لوگوں نے بہت بڑا فراڈ کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن اب بھی خالد صاحب جیسے دردِ دل رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔"

"ہاں یار فہد ٹھیک کہا۔ خالد صاحب جیسے لوگ ایک نعمت سے کم نہیں۔ تم نے اس کام کے لیے ٹھیک بندے کا انتخاب کیا اور بہت اچھا کیا جو خط میں ساری تفصیل لکھ دی کہ کس طرح جاگو والی ڈائن کے نام پر منشیات فروش اور قبضہ مافیا اپنی دکان چمکا رہے ہیں۔ اب مجھے اس بات کی فکر ہے کہ خالد صاحب اب اس معاملے سے کیسے نمٹیں گے۔"

"گڈو پریشان نہ ہو خالد صاحب ضرور کوئی حل نکالیں گے۔"

دو دن بعد سارے علاقے میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ جاگو والی حویلی پر رینجرز نے دھاوا بول دیا تھا۔ اور بہت بڑی تعداد میں اسلحہ اور منشیات برآمد کر لی تھی۔ حویلی سے ماسک اور ڈراؤنے لباس بھی برآمد ہوئے جنھیں پہن کر لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا۔ علاقے کے لوگوں پر ڈائن والی حقیقت کھل چکی تھی۔ وہاں سے ایک شخص کو بھی گرفتار کیا گیا۔ جسے تفتیش کے لیے نا معلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ یہ چھاپا کسی مستند اطلاع پر مارا گیا۔ فہد

اور گڈو کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سارے علاقے کو اس گروہ کے پکڑے جانے اور جاگو والی ڈائن کی حقیقت کھلنے کی اصل کہانی بتاتے۔

''گڈو یار میں تو تمھاری وجہ سے بات نہیں کر رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ دوسرے کبوتروں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔''

''لیکن مجھے حیرت ہے کہ خالد صاحب نے خود کو ظاہر کیوں نہیں کیا۔''

''اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ خالد صاحب کے سامنے شہرت اور پذیرائی حاصل کرنے کا بہت بڑا موقع تھا لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔ خالد صاحب نے ایک طرح سے زیادہ مضبوط یہ کام کیا کہ پولیس کے بجائے رینجرز کو اطلاع دی۔ یہ ہوتی ہے انسانیت کی بے لوث خدمت۔ ایسے لوگ ہمارے معاشرے کے ماتھے کا جھومر ہیں۔''

گڈو اور فہد کو حقیقی معنوں میں خالد صاحب پر فخر ہونے لگا۔

(10)

ایک دن حاجی رشید اپنے ڈیرے پر کبوتروں کو دانہ ڈالنے میں مصروف تھے۔کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر ایک کبوتر کے پیچھے بہت سے باز لگے ہوئے ہیں لیکن وہ اسے پکڑ نہیں پا رہے تھے۔کبوتر بہت آسانی سے انھیں چکما دے رہا تھا آخر میں حاجی رشید نے دیکھا کہ تمام باز تھک کر اور سمتوں میں اڑ گئے لیکن کبوتر وہیں پرواز کر رہا ہے۔حاجی رشید نے یہ بھی دیکھا کہ اس کبوتر کو پکڑنے والے باز بہت اعلیٰ نسل کے تھے۔ایسی نسل کے ایک باز سے بھی کبوتر کا بچنا مشکل ہوتا ہے لیکن یہ کیسا کبوتر ہے جو اتنے سارے بازوں کے جھرمٹ سے بچ نکلا ہے۔ حاجی رشید یہی بات سوچ رہے تھے کہ وہ کبوتر ان کے چھت پر لگے لوہے کے جالے پر آبیٹھا۔ حاجی رشید نے دیکھا کہ اس کے بیٹھنے سے کبوتروں میں ایک عجیب سی بے چینی پھیل گئی ہے۔وہ کبوتر پانی پینے کے لیے نیچے اترا اور کمرے میں رکھے پانی کے برتن کی طرف بڑھا۔ حاجی رشید نے کبوتروں کے کمرے کے دروازے کو ڈوری سے منسلک کیا ہوا تھا جو خاصی لمبی تھی۔حاجی رشید نے خود دیوار کی اوٹ میں چھپ کر اپنے بیٹے کو فون کیا کہ وہ یہ ڈوری کھینچ لے۔حاجی رشید کے بیٹے نے اپنے والد کے حکم پر عمل کیا اور ڈوری کھینچ لی۔کمرے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

گڈو جو بازوں کی چال سے بچ گیا تھا انسانوں کی چال میں پھنس چکا تھا۔حاجی رشید فوراً

کبوتروں والے کمرے میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ کبوتر ویسے تو عام کبوتروں کی طرح ہے لیکن اس کی چونچ، آنکھیں اور ناخن نیلے ہیں۔کبوتر کی آنکھوں میں بے پناہ ذہانت تھی۔ یہ کبوتر اپنی پرواز اور خوبیوں میں بے مثال تھا۔حاجی رشید کو گڈو کو پکڑنے میں بہت دیر لگی باوجود اس کے وہ کمرے میں بند تھا۔گڈو جو کافی عقابوں سے لڑتا رہا تھا اس نے حاجی رشید کے آگے زیادہ دیر یہ سوچ کر مزاحمت نہ کی کہ یہاں تو مزاحمت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ ویسے بھی یہاں اتنے چھوٹے کمرے میں آخر پکڑے ہی جانا ہے۔حاجی رشید نے گڈو کو پکڑتے ہی سب سے پہلی بات یہ نوٹ کی کہ گڈو کا وزن عام کبوتروں سے بہت زیادہ ہے۔حاجی رشید نے زندگی بھر اس بات کا مشاہدہ کیا تھا کہ جن کبوتروں کا وزن کم ہوتا ہے وہی پرواز میں تیز ہوتے ہیں لیکن یہاں تو بات الٹ تھی۔اس کبوتر کی پرواز زیادہ وزن ہونے کے باوجود بے مثال تھی اور پرواز کے ساتھ ساتھ یہ کبوتر اعصابی طور پر بھی بہت مضبوط تھا کیوں کہ وہ اتنے سارے عقابوں کو دیکھ کر گھبرایا نہیں تھا۔اس کے پروں میں بہت زیادہ چمک تھی۔حاجی رشید نے اسے قدرت کا شہکار قرار دیا۔انھوں نے ایک ہاتھ میں گڈو کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے موبائل نکال کر اپنے قریبی دوستوں حمزہ اور عدیل کو فون کیا کہ وہ فوراً ان کے گھر آئیں اور دیکھیں قدرت کا ایک شہکار ان کے ہاتھ لگا ہے۔ساتھ ہی حاجی رشید نے گڈو کو پکڑ کر کمرے اور کبوتروں کے جال سے باہر آتے ہوئے اپنے چھوٹے بیٹے کو آواز دی کہ قینچی لاؤ۔

حاجی رشید نے فیصلہ کیا کہ گڈو کے پر کاٹ دیے جائیں تا کہ وہ اڑ کر کہیں اور جا نہ سکے۔ اچانک حاجی رشید کے کانوں میں ”چھوڑو مجھے! چھوڑو مجھے!“ کے الفاظ پڑے۔ پہلے تو حاجی رشید سمجھ ہی نہ پائے کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے لیکن بعد میں انھوں نے دیکھا کہ ان کے

ہاتھ میں پکڑا ہوا کبوتر بول رہا ہے۔حاجی رشید پر ایک خوف سا چھا گیا اور انھوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا ہاتھ کھول دیا۔گڈو سیدھا آسمان کی بلندیوں میں غائب ہو گیا۔حاجی رشید حیرت اور پریشانی کی کیفیت سے دو چار تھے۔وہ اسی کیفیت میں مبتلا تھے کہ عدیل اور حمزہ حاجی رشید کے گھر پہنچے۔

عدیل اور حمزہ فوراً سمجھ گئے کہ حاجی صاحب کچھ کھوئے کھوئے سے ہیں۔شاید کوئی ان ہونی سی ہو گئی ہے۔انھوں نے حاجی صاحب کو اس کیفیت سے نکالنے کے لیے پوچھا:

''حاجی صاحب وہ قدرت کا شہکار کہاں ہے۔''عدیل نے دوسرے کبوتروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ تو اڑ گیا۔''حاجی رشید نے اسی کھوئے ہوئے انداز میں کہا:

''میں اسے کبھی نہ چھوڑتا لیکن اس نے خود ہی کہا مجھے چھوڑ دو۔''

''کیا کہا حاجی صاحب،کبوتر نے کہا مجھے چھوڑ دو۔''عدیل نے حیرانی سے حمزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں جھوٹ نہیں بول رہا، سچ میں یہی ہوا۔'' حاجی رشید نے انھیں ساری بات بتائی۔عدیل اور حمزہ نے پہلے تو یہ سمجھے کہ حاجی رشید مذاق کر رہے ہیں۔لیکن بعد میں انھیں خیال آیا کہ حاجی رشید نے ساری زندگی نہ تو کسی سے مذاق کیا اور نہ جھوٹ بولا۔لیکن اس کے باوجود وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ حاجی رشید نے یہ بات کیوں کی۔عدیل اور حمزہ نے وہاں بیٹھنے کے بجائے حاجی صاحب سے اجازت چاہی۔ان کے گھر سے نکلتے ہی عدیل اور حمزہ نے پریشانی اور حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔حمزہ کہنے لگا:

''یہ حاجی صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟''عدیل نے حمزہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار واقعی یہ پریشانی والی بات ہے ۔حاجی صاحب عجیب بات کر رہے ہیں ۔ایسی باتیں تو کہانیوں میں ہوتی ہیں ۔حاجی صاحب بہت میچور آدمی ہیں اور ان کا شمار ہمارے گاؤں کے معززین میں ہوتا ہے ۔ان کے منہ سے ایسی باتیں عجیب لگتی ہیں ۔'' حمزہ نے اچانک عدیل کی بات کاٹتے ہوئے کہا: ''میں سمجھ گیا حاجی صاحب کو کیا ہوا ہے ۔'' عدیل نے بے چینی سے حمزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''میرا خیال ہے حاجی صاحب پر جادو ہو گیا۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے حمزہ ۔حاجی صاحب پر واقعی جادو ہو گیا ہے ۔لیکن اب اس کا حل یہ ہے کہ ہم چوآسیدن شاہ میں موجود ایک پیر کے پاس جاتے ہیں ۔وہ یقینا اس کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے ۔''

(11)

''کہاں رہ گئے تھے گڈو یار۔'' فہد نے پریشانی سے گڈو کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یار شکر کرو پہنچ گیا ہوں۔ سمجھو کہ نئی زندگی ملی ہے۔''اس کے ساتھ ہی اس نے دن کو اپنے ساتھ پیش آنے والے سارے واقعے کی روداد فہد کے گوش گزار کی۔

فہد نے یہ سن کر سر پکڑ لیا:

''کوئی اور بھی وہاں تھا۔''

''نہیں کوئی اور نہیں تھا صرف میں اور حاجی رشید ہی تھے۔''

''شکر کرو کہ کوئی اور نہیں تھا ورنہ بہت مسئلہ ہو جاتا۔ دُعا کرو وہ اس بات کا تذکرہ کسی اور کے ساتھ نہ کر دے ورنہ نئی پریشانی کھڑی ہو جائے گی۔''

''میرے خیال میں حاجی رشید جیسے سنجیدہ آدمی کے منہ سے ایسی بات سن کر لوگ اسے مذاق ہی سمجھیں گے لیکن پھر بھی تمھیں بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے۔ تم اب کچھ دن باہر نہ جانا۔'' فہد نے گڈو کو تاکید کرتے ہوئے کہا۔

عدیل اور حمزہ پیر کے آستانے پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں بہت زیادہ رش ہے۔ اُنھیں ایسا لگا ان کی باری آنے تک شام ہو جائے گی۔ اچانک حمزہ نے دیکھا کہ اُس کا ایک شناسا چہرہ پیر صاحب کے خاص کارندے سے بات کر رہا ہے۔ حمزہ نے اُس کے پاس جا کر

گزارش کی کہ وہ اس بندے کے ذریعے سے پیر صاحب سے جلدی ملوا دے۔حمزہ کا یہ تیر کارگر ثابت ہوا۔ پیر صاحب نے ملاقات کے لیے انھیں فوراً اندر بلا لیا۔ اندر پہنچ کر حمزہ اور عدیل نے عجیب منظر دیکھا۔کمرے میں ہر طرف اگربتیوں کا دھواں تھا اور پیر صاحب نیم اندھیرے میں ایک بستر پر نیم دراز تھے۔ایک آدمی اُن کی ٹانگیں اور دوسرا اُن کے کندھے دبا رہا تھا۔عدیل اور حمزہ صورت حال دیکھ کر خاموشی سے با ادب کھڑے ہو گئے۔ پیر صاحب نے خاموشی توڑی۔

''جلدی بولو بچہ! ویسے تو ہم سب کچھ جانتے ہیں لیکن پھر بھی تم اپنا مسئلہ بتاؤ۔''

''جی وہ ہمارے ایک دوست ہیں حاجی رشید۔وہ آج کل عجیب باتیں کر رہے ہیں۔'' پیر صاحب نے عدیل کو ہاتھ کے اشارے سے چپ ہونے کو کہا اور ایک صفحہ اُٹھا کر اُس پر زائچہ بنانا شروع کر دیا۔زائچہ بنانے کے بعد پیر صاحب نے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمھارے دوست پر جادو ہو گیا ہے۔بہت شدید جادو۔اگر اس جادو کا توڑ نہ کروایا تو بہت بُرا ہو گا۔'' عدیل اور حمزہ نے خوشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ چلو اُن کا اندازہ درست ثابت ہوا کہ حاجی رشید پر جادو ہوا ہے۔

''پیر صاحب اس کام کے توڑ کے لیے ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''توڑ تو بہت مشکل کام ہے اس کے لیے پہاڑوں پر جانا پڑے گا۔دریاؤں میں اترنا پڑے گا۔آگ سے کھیلنا پڑے گا۔''

''لیکن یہ سب تو ہم سے ممکن نہیں۔'' حمزہ نے کہا۔

''نہیں تمھیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا بچہ! تم صرف ہدیہ دے دو باقی کام میں خود کر لوں گا۔''

''کتنا ہدیہ؟'' عدیل نے پوچھا۔

''دس ہزار ابھی اور دس ہزار کام ہونے کے بعد ویسے تو اس کام کا پچاس ہزار بنتا ہے۔''

عدیل اور حمزہ نے اپنی اپنی جیبوں سے جب پیسے نکال کر جمع کیے تو وہ ٹوٹل سات ہزار روپے بنے۔

''پیر صاحب تین ہزار کم ہیں۔'' پیر صاحب نے غصے سے اُن دونوں کی طرف دیکھا لیکن ساتھ ہی پیسے اچکنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ بقایا تین ہزار جلد سے جلد پہنچا دینا۔

عدیل اور حمزہ نے تشکر بھری نظروں سے پیر صاحب کی طرف دیکھا اور جھک کر سلام کرنے کے بعد وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

''یار عدیل ہمیں پورے پیسے لانے چاہیے تھے۔''

''مجھے کیا پتا تھا کہ پیر صاحب اتنے پیسے مانگ لیں گے۔ میں نے تو یہ سُنا تھا کہ لوگوں کا مفت کام کرتے ہیں۔''

''کام تو مفت ہی کرتے ہیں، یہ پیسے تو عمل کے تھے۔ شکر کرو یہ پیسے بھی جیب میں تھے اور اس وقت تو جیب میں گاؤں جانے کا کرایہ بھی نہیں بچا لیکن خیر ہے گاؤں کی ویگنوں والے سارے ہی میرے جاننے والے ہیں۔ کسی کے ساتھ بھی بیٹھ کر بغیر کرایہ دیے چلے جائیں گے۔''

(12)

آج بہت دنوں بعد گڈُو نے اڑان بھری تھی۔وہ کافی دیر وادیِ کہون پر پرواز کرنے کے بعد کلر کہار کی جھیل کنارے موجود ایک درخت پر بیٹھ گیا۔اُس نے دیکھا کہ کس طرح لوگ کچرا جھیل میں پھینک رہے ہیں اور کوئی اُنھیں روکنے والا نہیں۔صفائی پر مامور لوگ بھی اپنا کام ٹھیک طریقے سے نہیں کر رہے تھے۔ پانی کی سطح پر کچھ مُردہ مچھلیاں تیر رہی تھیں جو آلودگی کے باعث ہلاک ہوگئی تھیں۔گڈو کا دل یہ منظر دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا اور اُس نے آئندہ جھیل پر کبھی نہ آنے کا فیصلہ کیا۔گڈو فہد کے گاؤں کی طرف پرواز کرنے لگا۔بعد میں اُسے خیال آیا کہ فہد کے سکول سے آنے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔اُس نے گاؤں کے ساتھ ایک ٹاہلی کے درخت پر بیٹھ کر فہد کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔اس نے نیچے نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ایک لڑکا درخت کے سائے میں بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا ہے۔تھوڑی دیر بعد دو افغانی اُس لڑکے کے پاس پہنچے اور انھوں نے آپس میں بات چیت شروع کر دی۔گڈو نے، جو جھیل والے واقعے پر رنجیدہ تھا، پہلے تو ان کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیا۔لیکن اچانک ایک جملہ اُس کے کانوں میں پڑا تو وہ متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ سودا نہیں ہوگا۔ چیز چوری بھی ہم کریں اور تمھیں برابر کا حصہ بھی دیں۔''

''تمھیں چوری تو میں نے ہی کروانی ہے۔میں نے ہی بتایا کہ وہ جنریٹر کس جگہ رکھا ہوتا ہے اور کس طرح چوری کیا جاسکتا ہے۔''

''لیکن اصل کام تو ہم نے کرنا ہے۔''افغانی نے لڑکے کی بات ٹوکتے ہوئے کہا۔

''۔۔۔اور ویسے بھی چوری کا مال ہم اصل سے بہت کم قیمت پر بیچتے ہیں۔'' یہ سنتے ہی دوسرے لڑکے نے ہامی بھر لی۔

''ٹھیک ہے تم مجھے پانچ ہزار ہی دے دینا اور یہ دھیان رکھنا کہ جس بندے کا جنریٹر چرانا ہے وہ بیماری کی وجہ سے رات کو اکثر جاگتا رہتا ہے اور اس کا گھر بھی مسجد کے نزدیک ہے اور صبح مسجد کا تالا بھی وہی کھولتا ہے۔تمھیں یہ کام بہت مہارت سے کرنا ہوگا۔پکڑے جانے پر میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔''

''تم فکر نہ کرو۔پہلی بات یہ ہے کہ ہم پکڑے نہیں جائیں گے اور دوسری بات یہ کہ تمھارا نام تو کبھی نہیں آئے گا۔کیوں کہ تمھاری مدد سے ہی ہم نے اس گاؤں میں مزید چوریاں کرنی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ لڑکا گاؤں کے رستے پر ہولیا اور افغانی اس کی مخالف سمت میں روانہ ہوگئے۔

''کیوں گڈو آج کیوں پریشان لگ رہے ہو۔آج تو بہت دنوں بعد پرواز کی۔ تمھیں تو آج خوش ہونا چاہیے۔آج تو تم کلر کہار کی جھیل اور قلعہ ملوٹ پر بھی گئے ہوگے۔چلو یہ اچھی بات ہے کہ تم کٹاس کی طرف نہیں جاتے۔کیا پتا کس لمحے تمھیں تمھارے ماں باپ پہچان لیں یا تم خود ہی کٹاس کے مندروں میں رہنے کا فیصلہ کرلو۔''۔فہد نے دیکھا کہ گڈو اُس کی باتیں دھیان سے نہیں سُن رہا۔

''کیوں گڈو کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ تم میری بات پر کیوں دھیان نہیں دے رہے؟''

گڈو نے جواب میں ٹاہلی کے درخت تلے پیش آنے والی ساری کہانی دکھیا لہجے میں

سنا دی۔ فہد نے سنتے ہی کہہ دیا:

''میں سمجھ گیا کہ کس کا جنریٹر چوری کرنے کی بات ہو رہی تھی۔ ہمارا ایک رشتہ دار ہے ثاقب۔ جگر کی بیماری کی وجہ سے اُسے تمام رات نیند نہیں آتی اور صبح مسجد کا تالا بھی وہی کھولتا ہے۔ ہمیں ضرور اُس کی مدد کرنی چاہیے۔''

فہد نے اُس لڑکے کا حلیہ پوچھا، جو افغانیوں کے ساتھ مل کر یہ پلان بنا رہا تھا۔ لیکن گڈو کے بتائے ہوئے حلیے سے فہد اس بات تک نہ پہنچ پایا کہ وہ لڑکا کون ہے۔ ساتھ ہی گڈو نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اُسے، اُس لڑکے کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے اُس کا گھر دیکھ لینا چاہیے تھا۔

''ہاں یار! یہ غلطی تو ہوئی لیکن کوئی بات نہیں ہم پتا چلا لیں گے۔''

''دیکھو یار گڈو ہمارے ملک نے اتنے عرصے سے ان افغانیوں کو پناہ دی ہوئی ہے لیکن ان کی اکثریت بُرے کاموں میں ملوث ہے اور یہ لوگ پاکستان سے شدید نفرت بھی کرتے ہیں۔ لیکن مجھے زیادہ افسوس اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو بُرے کاموں میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ ہماری حکومت بھی انھیں یہاں سے واپس بھیجنے کے لیے مؤثر اقدام نہیں کرتی۔''

(13)

عدیل اور حمزہ نے یہ بات نوٹ کی کہ حاجی رشید میں کافی مثبت تبدیلی آئی ہے۔انھوں نے اس کی وجہ پیر صاحب کا عمل سمجھا۔

''یار حمزہ دیکھو کس طرح حاجی رشید کو پیر صاحب کے عمل سے افاقہ ہوا ہے۔اس کے بعد تاحال انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔''

''ٹھیک کہا یار واقعی حاجی صاحب ٹھیک ہو گئے ہیں۔شکر ہے ہم نے پیر صاحب سے رابطہ کیا۔یار عدیل ہم نے تو پیر صاحب کو پورے پیسے بھی نہیں دیے۔وہ واقعی بہت اچھے آدمی ہیں اور بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔اب جب اُن کو بقایا پیسے دینے جائیں گے تو طے شدہ رقم سے زیادہ ہی دے کر آئیں گے۔''

دوسری طرف حاجی رشید گڈو والے واقعے کے بعد حیران بھی تھے اور پریشان بھی۔ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہو گیا۔انھوں نے اس بات کا مزید تذکرہ عدیل اور حمزہ سے بھی نہیں کیا تھا۔وہ ہر وقت اس سوچ میں گم رہتے کہ ایک کبوتر کیسے بول سکتا ہے۔لیکن یہ ایسی گتھی تھی جس کے بارے میں وہ جتنا سوچتے اتنا ہی الجھتی چلی جارہی تھی۔بات ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ اس کا ذکر بھی کسی سے نہیں کر سکتے تھے۔انھیں معلوم تھا کہ اگر وہ کسی سے اس کا ذکر کریں گے تو لوگ سچ سمجھنے کے بجائے ان کا

مذاق اڑائیں گے۔

حاجی صاحب کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ عدیل اور حمزہ نے بھی بعد میں اُن کا مذاق اُڑایا ہوگا۔

(14)

فہد نے گڈو کو لفافے میں ایک پرچی پر یہ عبارت لکھ کر دی کہ جنریٹر چوری ہونے والا ہے اور گڈو کو ثاقب کے گھر یہ لفافہ پھینکنے کو کہا۔ساتھ ہی یہ تاکید بھی کی کہ لفافہ پھینکتے وقت وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ ثاقب اُسے نہ دیکھ پائے۔

گڈو نے رات کے وقت لفافہ لے کر ثاقب کے گھر کا چکر کاٹا۔اسے معلوم تھا کہ ثاقب کو رات گئے تک نیند نہیں آتی سو اُسے لفافہ پھینکتے ہوئے بہت احتیاط کرنی ہے۔چناں چہ اس نے لفافہ ثاقب کے گھر کے اوپر فضا ہی میں چھوڑ دیا۔ثاقب نے، جسے بیماری کی وجہ سے نیند نہیں آتی تھی، دیکھا کہ ہوا میں کوئی چیز اُڑتی ہوئی اُس کے صحن میں آ گری ہے۔ثاقب نے جا کر دیکھا تو وہ ایک لفافہ تھا جس پر اُس کا نام لکھا ہوا تھا۔ثاقب نے لفافہ کھولا تو اُس کے اندر ایک پرچی تھی جس پر درج تھا کہ آپ کا جنریٹر چوری ہونے والا ہے۔ثاقب کو لفافے کے اندر لکھی ہوئی تحریر سے زیادہ اس بات پر حیرانی ہوئی کہ لفافہ اتنی بلندی ہوا میں اڑتا ہوا اس کے گھر ہی میں کیسے گرا؟ ثاقب یہ سوچ کر کہ کہیں اس کی بیوی ڈر نہ جائے، اس بات کا تذکرہ اس سے نہیں کیا۔تاہم اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس بات کا ذکر اپنے بھائی سے ضرور کرے گا۔ثاقب ساری رات بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا اور صبح ہوتے ہی اپنے بھائی عمیر کے گھر جا کر اُسے ساری بات بتائی۔

عمیر کہنے لگا: ''بھائی جان بیماری کی وجہ سے آپ کو نیند بہت کم آتی ہے۔سو اس وجہ سے آپ کو وہم ہوا ہو گا کہ لفافہ آسمان کی طرف سے اڑتا ہوا آیا ہے۔۔۔''

''لیکن لفافے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' ثاقب، عمیر کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا۔

''بھائی جان میرا خیال ہے یہ کسی بچے کی شرارت ہے۔'' ثاقب نے عمیر سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس آ گیا۔ دو دن بعد سارے گاؤں میں ثاقب کے جنریٹر کے چوری ہونے کی خبر پھیل چکی تھی۔جب فہد اور گڈو تک یہ خبر پہنچی تو اُنھیں اس بات کا بہت رنج ہوا۔فہد نے گڈو سے کہا:

''دیکھو یار! ہم پتا ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکے۔ہمارے اختیار میں جو کچھ تھا وہ ہم نے کر دیا۔گڈو تمھیں کیا لگتا ہے۔ثاقب نے وہ خط اُٹھایا ہو گا۔''

''ضرور اُٹھایا ہو گا۔میں نے وہ خط صحن کے وسط میں پھینکا تھا۔بس اُس نے اسے سچ نہیں سمجھا ہو گا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو گڈو! لیکن اب تو اُس نے اس بات کی سچائی پر یقین کر لیا ہو گا۔ ہمیں اُس لڑکے کو ڈھونڈنا ہے، جس نے افغانیوں کے ساتھ مل کر مزید چوری کرنے کے منصوبے بنا رکھے ہیں۔اگر وہ نہیں تو اُن افغانیوں کو ڈھونڈنا ہو گا جو اس بُرے کام میں اُس کے ساتھی ہیں۔ہمارے گاؤں کے آس پاس کوئلے کی کانوں پر بھی کافی افغانی کام کرتے ہیں۔انھوں نے اپنی کانیں بھی لگا رکھی ہیں۔یقیناً وہ اُسی طرف سے آئے ہوں گے۔''

''ہاں بالکل ٹھیک کہا تم نے وہ کانوں کی طرف ہی جا رہے تھے۔'' گڈو کچھ یاد کرتے ہوئے بولا۔

(15)

فہد اور گڈو خوش تھے کہ گڈو گاؤں والے اُس لڑکے کو تو نہ ڈھونڈ سکا لیکن اُس نے جنریٹر چوری کرنے والے افغانیوں میں سے ایک افغانی کو دیکھ لیا تھا اور اُس کے پیچھے جا کر نہ صرف کوئلے کی وہ کان دیکھ لی بلکہ اُس کان پر چوری کا سامان خریدنے کے لیے آنے والے شخص کی اُس افغانی کے ساتھ ہونے والی بات چیت بھی سُن لی۔ گڈو نے فہد کو بتایا کہ نہ صرف جنریٹر بلکہ اور بھی بہت ساری چیزیں چوری کر کے اُس کوئلے کی کان پر چھپائی گئی ہیں۔ لیکن ان کے سامنے اب مسئلہ یہ تھی کہ اب کیا کیا جائے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ لفافے والی بات پھیل جائے۔ ادھر حاجی رشید والے واقعے کے بعد ان کے دلوں کو ایک عجیب سا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

''چلو یار گڈو آخری بار لفافے والا حربہ آزماتے ہیں کیوں کہ سردست ہمارے پاس اس مسئلے کا اور کوئی بھی حل نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم لفافے پر لکھ دو اور میں وہ لفافہ ثاقب کے گھر پھینک آتا ہوں لیکن اگر اس مرتبہ بھی کچھ نہ ہوا تو کیا کریں گے۔

''جیسا کہ تم بتا رہے ہو کہ اُس ڈیلر نے اگلے ہفتے چوری کا سارا سامان اُٹھانے کی ڈیل کی ہے۔ تمھارے پاس صرف سات دن ہیں چلو لفافہ پھینکنے کے بعد تین چار دن دیکھیں گے

اگر کچھ نہ ہوا تو پھر کوئی اور راستہ نکالیں گے۔"

اگلی صبح ثاقب اپنے بھائی عمیر کے گھر موجود تھا۔ ثاقب کو اتنی صبح اپنے گھر دیکھ کر عمیر سمجھ گیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ ثاقب نے جیب سے لفافہ نکالا اور عمیر کی طرف بڑھا دیا۔ عمیر نے لفافہ کھول کر اُس کے اندر رکھی پرچی کو پڑھا۔ اس پر لکھا تھا آپ کا جنریٹر گاؤں کے قریب جنگل میں موجود آخری کوئلے کی کان پر ہے جو افغانیوں کی ملکیت ہے۔

"بھائی جان یہ خط کب آیا؟" عمیر نے حیرت سے ثاقب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم میں آج رات بہت عرصے بعد جلدی سو گیا تھا لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ رات ہی کے کسی پہر آیا ہے۔ میں صبح سویرے صحن میں گیا تو یہ خط وہاں پڑا ہوا تھا۔"

ثاقب اور عمیر جنریٹر کی چوری سے زیادہ اس بات پر پریشان تھے کہ خط کس نے پھینکا۔ کبھی وہ سوچتے کہ چوری کرنے والے کے کسی ساتھی نے خط پھینکوایا۔ پھر سوچتے کہ اگر وہ اُن کا ساتھی ہوتا تو ہمیں کیوں بتاتا۔ غرض جوں جوں سوچتے معاملہ مزید الجھتا چلا جاتا۔

"بھائی اب کیا کریں کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" عمیر نے کہا۔

اچانک ثاقب کو نعیم کا خیال آیا۔ نعیم، ثاقب کے محلے میں ہی رہتا تھا اور بجلی وغیرہ کا کام کیا کرتا تھا۔ سارا گاؤں اُسے نعیم الیکٹریشن کے نام سے جانتا تھا۔ حاجی رشید کی طرح نعیم بھی بہت نرم دل آدمی تھا اور غریب لوگوں کا کام اکثر مفت یا کم پیسوں میں کر دیا کرتا تھا۔ وہ اکثر کوئلے کی کانوں پر بھی جا کر بجلی وغیرہ کا کام کیا کرتا تھا۔ اس نے اس معاملے میں سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ نعیم سے بات کی جائے اور وہ پتا لگائے۔ عمیر کو ثاقب کی یہ بات پسند آئی۔ انھوں نے نعیم سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ دونوں بھائی نعیم کے گھر کی طرف چل پڑے۔

اتنی صبح دونوں بھائیوں کو اپنے دروازے پر دیکھ کر نعیم پہلے تو تھوڑا حیران ہوا پھر دونوں بھائیوں کو اندر بٹھالیا۔ثاقب اور عمیر نے نعیم کو ساری بات بتائی اور یہ بھی بتایا کہ خط کی پرچی کے اندر یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس صرف تین دن ہیں۔نعیم پہلے تو دونوں کی باتیں سن کر متعجب ہوا اور بعد میں یہ سُن کر تھوڑا پریشان بھی ہوا کہ خط میں صرف تین دن کی مہلت کا ذکر کیا گیا ہے۔

''آپ فکر نہ کریں میں اس سلسلے میں ضرور آپ کی مدد کروں گا۔ مجھے ایک ضروری کام سے اسلام آباد جانا تھا لیکن اب نہیں جاؤں گا۔اس وقت میرے سامنے دو باتیں ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر جنریٹر کا سراغ مل گیا کہ وہ اُس کان پر موجود ہے تو اس کے بعد کیا کرنا ہے؟اور دوسری بات یہ کہ یہ خط پھینکنے والا کون ہے؟ یہ بہت پراسرار بات ہے۔''

''جی نعیم صاحب آپ ٹھیک کہتے ہیں۔یہ بات واقعی بہت پراسرار ہے۔ہم اس بات پرخود بہت حیران ہیں۔چلیں خط پھینکنے والے بندے کو تو بعد میں بھی ڈھونڈا جاسکتا ہے لیکن ابھی ہمیں جنریٹر والی بات پر دھیان کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں ابھی ناشتہ کر کے فوراً کوئلے کی کانوں کی طرف جا کر جنریٹر کا سُراغ لگانے کی کوشش کروں گا۔''

ثاقب کی بتائی ہوئی کان پر پہنچنے کے بجائے نعیم اس کے قریب دوسری کان پر پہنچا اور اس نے کان کے انچارج سے ملاقات کی۔وہ نعیم کو پہلے ہی ملاقات کے لے پیغام بھیج چکا تھا۔وہ نعیم سے کافی پرجوش انداز میں ملا۔

''نعیم صاحب بہت شکریہ آپ تشریف لائے۔ہماری کان پر بھی بجلی مسئلہ کر رہی ہے۔

بار بار فیوز اُڑ جاتا ہے۔"

"اس ٹرانسفارمر پر ضرورت سے زیادہ لوڈ ہے۔"نعیم نے ٹرانسفارمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔عجیب بات ہے کہ ساتھ والی کان کے مالکان نے بھی اس ٹرانسفارمر کے ساتھ تار لگائی ہوئی ہے، جب کہ اُن کی کان کے ساتھ ایک اور ٹرانسفارمر لگ چکا ہے۔ پہلے تو کانوں پر زیادہ کام جنریٹر سے ہوتا تھا لیکن اب شکر ہے لوگوں کے احتجاج کے بعد گورنمنٹ نے یہاں تک بجلی پہنچائی اور کافی ٹرانسفارمر لگوا کر دیے۔چلیں ایسا کرتے ہیں ساتھ والی کان کے لوگوں سے بات کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر کان کا سپروائزر نعیم کو لے کر اُس کان پر پہنچا، جس کے بارے میں ثاقب نے بتایا تھا کہ چوری شدہ جنریٹر اُس پر پڑا ہوا ہے۔وہاں پہنچنے پر افغانیوں نے نعیم اور سپروائزر کی کافی آؤ بھگت کی اور اُن کے آنے کا مقصد پوچھا۔نعیم نے اُن کو بتایا کہ کس طرح ٹرانسفارمر کا فیوز بار بار اُڑ جاتا ہے۔افغانیوں نے یہ بات سُن کر کہا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ تار کا مسئلہ ہے اس سے پہلے فیوز لگانے والا ہر مرتبہ یہ کہتا تھا کہ اس مرتبہ فیوز لگانے کے بعد نہیں اُڑے گا لیکن کوئی نہ کوئی مسئلہ ہو جاتا ہے۔"

نعیم جس جگہ بیٹھا اُس نے دیکھا کہ وہاں موجود چار کمروں میں سے ایک کو تالا لگا ہوا ہے۔ٹرانسفارمر سے تار بدلی کرنے کے بعد نعیم نے افغانیوں سے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ آپ کے کمروں کی اندرونی وائرنگ بھی ٹھیک نہیں۔ افغانیوں نے اس بات پر نعیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وہ کمروں کی وائرنگ چیک کر لیں۔تالے والا کمرہ جو شروع میں واقع تھا، جب نعیم نے اس کا تالا کھولنے کی بات کی تو افغانیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر جو بظاہر اُس کا سپروائزر لگ رہا تھا۔اُس نے کہا کہ اس

کمرے کی چابی نہیں مل رہی آپ دوسرے کمروں کی وائرنگ چیک کرلیں۔نعیم سمجھ گیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہی نعیم نے دیکھا کہ ایک کونے میں کچھ چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے، جنھیں ٹاٹ نما پردے سے چھپادیا گیا ہے۔نعیم نے موقع پاتے ہی ٹاٹ کا ایک سرا اُٹھا کر دیکھا۔ٹاٹ کے نیچے جنریٹر اور کچھ موٹریں رکھی ہوئی تھیں۔نعیم نے فوراً ثاقب کے جنریٹر کو پہچان لیا کیوں کہ یہ جنریٹر نعیم نے ہی ثاقب کو خریدنے کا مشورہ دیا تھا۔ساتھ ہی نعیم نے ایک دوسرے گاؤں کے سکول سے چوری ہونے والی موٹر بھی پہچان لی۔جسے اُس نے اپنے ہاتھ سے فٹ کیا تھا اور جس کے چوری ہونے کی خبر اُسے کچھ دن پہلے ملی تھی۔نعیم نے افغانیوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لیے وائرنگ میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے اُن سے یہ کہہ کر جانے کی اجازت چاہی کہ وہ دو چار دنوں میں کچھ نئی تاریں اور سامان لے کر آئے گا اور پھر اُس پر کام کرے گا۔

نعیم،فوری طور پر عمیر اور ثاقب کے پاس پہنچا اور کہا۔

''یار ثاقب جس نے بھی یہ اطلاع دی ہے اُس نے بہت بڑا نیکی کا کام کیا ہے۔اُس کان پر چوری کا اور بھی بہت سا سامان پڑا ہوا ہے۔ایک کمرہ جس کو تالا لگا ہوا تھا وہ تو سمجھو چوری کے سامان سے بھرا ہوا ہے۔میں جس کمرے میں پہلے وائرنگ چیک کرنے کے بہانے داخل ہوا وہاں پر بھی کافی سامان رکھا ہوا ہے۔''

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔'' ثاقب نے نعیم کی باتیں سننے کے بعد پوچھا۔

کافی دیر غور کرنے کے بعد نعیم نے نوید ایڈووکیٹ کا نام تجویز کیا۔نوید ایڈووکیٹ کا تعلق فہد کے گاؤں سے ہی تھا اور اُن کی شہرت دُور دُور تک تھی۔انھوں نے کافی عرصہ وکالت کا

پیشہ اختیار کیے رکھا لیکن آخر میں یہ کہہ کر اس پیشے سے علیحدگی اختیار کر لی کہ اب لوگ اپنے وکیل سے بھی سچ نہیں بولتے اور خود کو بے گناہ کہتے ہیں۔ اس طرح بے گناہ لوگوں کی مدد کرنا اب ممکن نہیں رہا۔ اب وہ شہر میں اپنا کاروبار کرتے اور جب بھی گاؤں آتے لوگوں کو مفت قانونی مشورے دیتے۔ تھانے کچہری میں اب بھی اُن کا نام تھا۔ اکثر گاؤں آنے پر جب کوئی انھیں کسی کام کے لیے کہتا وہ انکار نہیں کرتے تھے۔

''نوید بھائی گاؤں آئے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے آئندہ کے لائحہ عمل کے لیے نوید بھائی سے بات کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ سب سے اچھا مشورہ دے سکتے ہیں۔ ہمیں ابھی اُن کے گھر چلنا چاہیے۔'' نعیم نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ وقت مناسب نہیں۔ دوپہر کا وقت ہے، وہ آرام کر رہے ہوں گے۔'' عمیر نے کہا۔

''نہیں عمیر ایسی بات نہیں ہے۔ وہ اس بات کا بُرا نہیں مانیں گے۔ اُن کے گاؤں آنے کا مقصد ہی دراصل لوگوں کو اُن کے کام کے سلسلے میں بہتر مشورہ دینا ہوتا ہے۔'' نعیم نے صلاح دی۔ تینوں کے قدم نوید ایڈووکیٹ کے گھر کی طرف اٹھ رہے تھے۔

''اس بات کا دھیان رکھنا کہ وہاں لفافے کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرنی۔ نوید صاحب بظاہر اس بے منطق بات کا بُرا مانیں گے۔ میں اُن سے یہی کہوں گا کہ میں نے آپ لوگوں کا چوری شدہ جنریٹر افغانیوں کی لگائی ہوئی کوئلے کی کان پر دیکھا ہے۔''

نوید ایڈووکیٹ نے خندہ پیشانی سے عمیر، ثاقب اور نعیم کا استقبال کیا۔ نعیم نے اپنے آنے کی وجہ تفصیل سے نوید کو بتائی۔ نوید ایڈووکیٹ نے تسلی سے اُن کی بات سُننے کے بعد کہا:

''ویسے تو میں شاید آپ کو پولیس میں رپورٹ کرنے کا مشورہ نہ دیتا، کیوں کہ ایک تو

پولیس نے شاید ٹھیک طرح سے کارروائی بھی نہیں کرنی تھی۔ اگر کربھی دیتی تو دیر لگا دینی تھی اور ساتھ ہی نعیم صاحب کا نام بھی ظاہر ہو جاتا لیکن اب شاید آپ کے علم میں نہیں کہ اس وقت ایک بہت ہی قابل اور ایمان دار افسر ڈی ایس پی امجد ہرل کی ہمارے شہر چکوال میں ٹرانسفر ہوئی ہے۔ میری اُن سے شناسائی بھی ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اُن کے پاس چلتے ہیں اور اُن کو ساری بات بتا دیتے ہیں۔''

(16)

شام کو وہ سب ڈی ایس پی امجد ہرل کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔امجد صاحب نے اُن کی بات سننے کے بعد عوام اور پولیس کے تعلق کو بہتر بنانے کی ضرورت پر بات کی اور انھیں بتایا کہ عوام کی مدد کے بغیر پولیس کچھ نہیں کرسکتی۔اس کے بعد انھیں تسلی دی کہ وہ فکر نہ کریں۔ پولیس ویسے بھی افغانیوں کے خلاف آپریشن کرنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔سو اب یہ کام فوراً شروع ہو جائے گا۔آپ صرف یہ کریں کہ اپنے علاقے میں جنریٹر چوری ہونے کی رپورٹ درج کروا دیں تاکہ ریکارڈ پر رہے۔

اگلے روز علی الصبح کوئلے کی کانوں پر پولیس کے چھاپے میں کئی مفرور اور خطرناک مجرم گرفتار کر لیے گئے۔ چوری کا بہت سا سامان برآمد ہوا، جن میں ثاقب کا جنریٹر بھی تھا۔ فہد اور گڈو اس نئی کامیابی پر پہلے سے زیادہ خوش تھے۔انھوں نے تو صرف ثاقب کا جنریٹر واپس لانے کی کوشش کی تھی، یہاں تو سارے علاقے کے لوگوں کو اُن کی چوری شدہ چیزیں مل گئیں۔

''گڈو یار یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔''

''نہیں فہد ایسی بات نہیں۔اس میں تمھارا بھی بہت دخل ہے۔لیکن ایک بات یاد رکھنا فہد۔اب ہمیں خط پھینکنے کے حوالے سے بہت زیادہ احتیاط کرنی ہوگی۔ثاقب لوگ اب

جنریٹر ملنے کے بعد یقیناً اس کھوج میں لگے ہوں گے۔ نہ صرف ثاقب لوگ بلکہ راجہ طلعت اور خالد صاحب بھی اور حاجی رشید والا معاملہ تو اس سے بھی خطرناک ہے۔"

"ہاں گڈو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اب ہمیں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔ لفافے والا کام تو اب ختم ہی سمجھو۔ اب بہتر ہے کہ تم کچھ دن پرواز نہ کرو اور کمرے کے اندر ہی رہو۔"

(17)

میڈم فائزہ گاؤں کی ہر دل عزیز استانی تھیں۔ نہ صرف گاؤں بلکہ سارے علاقے میں اُن کی شہرت تھی۔ نالائق سے نالائق بچہ بھی جب اُن کے سکول میں داخل ہوتا تو اچھے نمبر لے کر پاس ہوتا۔ میڈم فائزہ ایک عرصے تک گاؤں کے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتی رہیں پھر ان کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوگئی جن کا شہر میں اپنا سکول تھا۔ سو میڈم فائزہ اپنے شوہر کے ساتھ ان کے ہی سکول میں پڑھانے لگیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ جب بھی گاؤں آتیں، گاؤں کے بچوں کی خبر رکھتیں۔ آج میڈم فائزہ اپنے گھر میں پریشان بیٹھی تھیں۔ ان کی وہ انگوٹھی گُم ہو چکی تھی جو اُنھیں اُن کی ساس کی طرف سے شادی پر تحفہ میں دی گئی تھی۔ اُنھیں پیسوں سے زیادہ اس بات کا دکھ تھا کہ اپنی پیاری ساس کی طرف سے دیا گیا ایک انمول تحفہ کھو بیٹھی ہیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ نہ جانے وہ اپنی انگوٹھی کہاں گم کر آئی ہیں۔ جب سے وہ گاؤں آئی تھیں کئی رشتہ داروں گھر گئی تھیں۔ انھیں اس بات کا بھی دکھ تھا کہ انھوں نے یہ انگوٹھی صرف شادی والے دن ہی پہنی تھی۔ کل جب وہ یہ انگوٹھی پہن رہی تھیں تو شروع میں اُن کا دھیان اس طرف گیا تھا کہ انگوٹھی کا سائز تھوڑا کھلا ہے اسے اُتار دینا چاہیے لیکن بعد میں اُن کے دھیان سے یہ بات نکل گئی اور اس طرح وہ انگوٹھی کہیں گر گئی۔ میڈم فائزہ نے کچھ گھروں میں فون کر کے پتا کیا لیکن انگوٹھی کا کوئی سراغ نہ ملا۔

فہداورگڈوکو اس بات پر بحث کرتے کافی دیر ہو چکی تھی کہ میڈم فائزہ کی انگوٹھی کے سلسلے میں ان کی مدد کرنی چاہیے یا نہیں۔

''دیکھوفہد پہلی بات تو یہ ہے کہ انگوٹھی چوری نہیں ہوئی۔تم خود یہ بات کہہ رہے ہو کہ جس رشتہ دار کے ذریعے سے تمھیں یہ بات پتا چلی اُس نے بتایا کہ میڈم فائزہ یہ کہہ رہی ہے کہ میری انگوٹھی کہیں گرگئی ہے۔''

''نہیں گڈو ایسی بات نہیں۔''فہد نے گڈو کی بات رد کرتے ہوئے کہا۔

''گڈو تم میڈم فائزہ کو نہیں جانتے وہ بہت مثبت سوچ کی مالک ہیں۔وہ کسی پر الزام نہیں لگانا چاہتیں۔اُن کے اچھے پن کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ شادی کے اتنے عرصہ بعد بھی وہ باقاعدگی سے گاؤں آتی ہیں اور بچوں کو اُن کی پڑھائی میں مدد دیتی ہیں۔ مجھے بھی انھوں نے بہت محنت سے پڑھایا۔اب بھی مجھے جب کوئی چیز پوچھنی ہو میں اُن سے پوچھ لیتا ہوں۔''

''فہد تمھاری باتیں ٹھیک ہیں لیکن پہلی بات یہ کہ انگوٹھی ملے گی نہیں اگر مل بھی گئی تو اُسے میڈم فائزہ تک کیسے پہنچایا جائے گا۔لفافے والا کام تو اب کرنا نہیں۔''

''گڈو تم انگوٹھی ڈھونڈو کسی بھی طریقے سے۔انگوٹھی مل گئی تو اگلا حل بھی نکال لیں گے۔''

بالآخر فہد نے گڈو کو انگوٹھی ڈھونڈنے پر رضامند کرلیا۔

انگوٹھی ڈھونڈنے کے سلسلے میں گڈو کو لوگوں کی باتیں سنتے اور گلیوں میں انگوٹھی ڈھونڈتے آج دوسرا دن تھا۔شام ہو چکی تھی اور انگوٹھی کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔گڈو اب تقریباً مایوس ہو چکا تھا۔اسی مایوسی کے عالم میں وہ گاؤں میں موجود پانی کے تالاب کے کنارے لگے پُرانے پیپل پر جا بیٹھا۔اُس نے دیکھا ایک شخص جنگل سے گدھے پر لکڑیاں

لاد کر لار ہا ہے۔ وہ گدھے کو بہت زیادہ مار رہا ہے۔ جب وہ گدھا پیپل کے نیچے سے گزرا تو گڈو نے دیکھا کہ اُس کے زخموں سے خون نکل رہا ہے۔ گڈو کو بہت افسوس ہوا۔ اُس نے سوچا کہ دیکھو ایک تو گدھا اپنے مالک کے لیے اتنا کام کر رہا ہے اور وہ اُسے بلاوجہ مار بھی رہا ہے۔ گڈو انسانوں کی طرف سے جانوروں اور پرندوں پر ڈھائے گئے ظلم پر ہمیشہ کڑھتا رہتا تھا لیکن آج تو اُسے کچھ زیادہ افسوس ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گڈو نے دیکھا کہ وہ گدھا پانی پینے اُس تالاب پر آ رہا ہے جس کے کنارے لگے پیپل کے درخت پر گڈو بیٹھا تھا۔ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے تالاب میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا جو تھوڑا بہت پانی تھا وہ کیچڑ جیسا تھا۔ گڈو کو یہ دیکھ کر اور زیادہ افسوس ہوا۔ اُس کے مالک نے اُسے کھانے اور پینے کے لیے کچھ نہیں دیا اور کام کروانے کے بعد گھر سے نکال دیا۔ گڈو گدھے کی دل جوئی کی نیت سے اُس کے اوپر جا بیٹھا اور یہ سوچنے لگا کہ اب وہ فہد کے ساتھ مل کر پرندوں اور جانوروں کی بہتری کے لیے کچھ کرے گا۔ گدھا اپنے زخموں اور تھکاوٹ کی وجہ سے زیادہ دُور تک نہیں چل سکا اور گلی میں جا کر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر گڈو کی آنکھوں سے دو آنسو گرے اور گدھے کی کھال میں جذب ہو گئے۔

اچانک اس خیال سے کہ گلی میں سے گزرنے والے لوگوں میں سے کوئی اسے دیکھ نہ لے، اس نے اُڑان کا ارادہ کیا۔ جیسے ہی اس نے اُڑنے کے لیے پر کھولے اُس نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر کوئی چیز چمک رہی ہے۔ جب اُس نے غور سے دیکھا تو وہ انگوٹھی تھی۔ گڈو نے فوراً انگوٹھی کو اُٹھایا اور فہد کے گھر کی طرف اڑ گیا۔ گڈو کے مُنہ میں انگوٹھی دیکھ کر فہد نے خوشی سے ایک نعرہ لگایا۔

”گڈو مجھے یقین تھا کہ تم یہ کام ضرور کر لو گے۔ تمھیں اندازہ نہیں کہ تم نے کتنا بڑا کام کیا

ہے۔ یہ انگوٹھی کسی عام ہستی کی نہیں، میری اُستانی کی ہے۔ مجھے فخر ہے کہ میری وجہ سے میری اُستانی کو خوشی کے کچھ لمحے میسر آئیں گے اور میرا تو اس بات پر ایمان ہے کہ استاد کے لیے کوئی بھی قربانی دی جائے، اُس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔''

بعدازاں گڈو نے فہد کو انگوٹھی ملنے کے حوالے سے تمام تفصیل بتائی اور اُسے بتایا کہ کس طرح اُس کے دل میں ایک گدھے کے لیے رحم پیدا ہوا اور اسی وجہ سے یہ انگوٹھی ملی۔ اس دوران، گڈو نے انسانوں کے جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بُرے سلوک کا تبصرہ بھی کیا۔ گڈو کی باتیں سُن کر فہد نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا:

''ہمیشہ یہ سنتے اور پڑھتے آئے ہیں کہ رحم کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے لیکن لوگ اس بات پر کم ہی عمل کرتے ہیں۔ کوئی اس بات پر عمل کر کے دیکھے۔ تم نے گدھے کے لیے رحم کا خیال دل میں لایا، اس کا کیسا اجر ملا۔ تمھیں تو پتا ہے کہ میں خود جانوروں اور پرندوں سے بہت محبت کرتا ہوں یہاں تک کہ چلتے ہوئے اس بات کا بھی خاص خیال رکھتا ہوں کہ کوئی چیونٹی میرے پاؤں کے نیچے نہ آجائے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں جانوروں اور پرندوں کے لیے اب تک کچھ نہیں کرسکا۔ لیکن آئندہ ضرور تم اور میں اس سلسلے میں کچھ کریں گے۔ چلو انگوٹھی کی بات کرتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ ہمیں پھر ایک مرتبہ لفافے والے عمل سے مدد لینی ہوگی۔''

فہد کی بات سُنتے ہی گڈو نے چیخ کر کہا:

''وہ کیوں؟''

''وہ اس لیے کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔ ایک تو انگوٹھی کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ میڈم فائزہ کی ہے یا نہیں۔ اگر ہے بھی تو جب میں انھیں دینے

جاؤں گا تو وہ ضرور جاننا چاہیں گی کہ انگوٹھی ملنے کے پیچھے کیا کہانی ہے۔تم میڈم فائزہ کو نہیں جانتے۔جب وہ کسی شاگرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کرتی ہیں تو کوئی سچ بات نہیں چھپا سکتا اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر وہ انگوٹھی میڈم فائزہ کی نہ ہوئی تو اس بارے میں تم بے فکر رہو۔وہ بالکل بھی لالچی نہیں ہیں اور تم دیکھنا کہ وہ اصل مالک تک انگوٹھی پہنچادیں گی۔ویسے مجھے تھوڑا بہت شک ہے کہ یہ انگوٹھی میڈم فائزہ کی نہیں کیوں کہ جس جگہ سے یہ انگوٹھی ملی ہے وہاں سے عموماً میڈم فائزہ کا گزر نہیں ہوتا۔لیکن حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

فہد کی باتیں سُن کر گڈو نے مجبوراً اپنا فیصلہ تبدیل کرلیا اور فہد سے کہنے لگا:

''ٹھیک ہے اس بار میں وہ لفافہ پھینک آؤں گا لیکن اس کے بعد وہ لفافے والا کام نہیں کروں گا۔''

فہد نے انگوٹھی لفافے میں ڈال کر ساتھ پرچی پر یہ عبارت لکھی: ''یہ انگوٹھی آپ کی ہے تو آپ اسے رکھ لیں اگر آپ کی نہیں تو کوشش کریں کہ اصل مالک تک پہنچ جائے۔''

لفافہ بند کر کے فہد نے گڈو کو میڈیم فائزہ کے گھر کا پتا سمجھاتے ہوئے تاکید کی کہ وہ یہ لفافہ رات دیر سے پھینکے۔

اگلی صبح سکول سے ہفتہ وار چھٹی تھی اور فہد دوستوں کے ساتھ کلر کہار کی جھیل پر جانے کے لیے تیاری کر رہا تھا کہ اُسے میڈم فائزہ کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ فوراً ان کے گھر پہنچے۔ یہ سنتے ہی فہد پریشان ہوگیا۔اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔اس نے سوچا کہ رات کو ہی گڈو نے ان کے گھر خط پھینکا اور صبح ہی میڈم فائزہ کی طرف سے پیغام آگیا۔یہ محض اتفاق نہیں ہوسکتا۔گڈو بھی اس وقت اس کے پاس نہیں تھا۔آخر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ میڈم فائزہ

کے گھر کی طرف چل پڑا۔ میڈم فائزہ کی امی نے فہد کو اپنے گھر کی طرف آتے دیکھ کر، اندر جانے کے لیے کہا اور گھر کے قریب موجود دکان پر چلی گئیں۔ فہد گھر میں داخل ہو گیا۔ اسے میڈم فائزہ کے شوہر، بچے اور خاندان کے دوسرے لوگوں میں سے کوئی نظر نہ آیا۔ صرف ان کے گھر کام کرنے والی بھا گاں ماسی کام میں مشغول تھی۔ کمرے میں پہنچ کر فہد نے دیکھا کہ میڈم فائزہ ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑے کمرے میں چہل قدمی کر رہی ہیں۔ فہد نے میڈم کو سلام کیا۔ میڈم فائزہ نے سلام کا جواب دیا اور اسے بیٹھنے کو کہا۔ وہ کچھ دیر فہد کے چہرے کی طرف بغور دیکھتی رہیں اور پھر کہنے لگیں:

''فہد تمھیں تو پتا ہے کہ میں نے ہمیشہ سچ بات کہی اور شاگردوں کو بھی سچ بولنے کی تلقین کی۔ مجھے گھما پھرا کر بات کرنے والے لوگ پسند نہیں۔ انسان کو سیدھی بات کرنی چاہیے اور گھما کر بات کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ انسان میں اتنا حوصلہ ہونا چاہیے کہ وہ کسی کے بھی سامنے سچ بات کہہ سکے۔ میں نے اپنے شاگردوں پر اس بات کے حوالے سے بہت محنت کی۔ وہ سچی اور سیدھی بات کریں اور شکر ہے میری اس تربیت کا میرے شاگردوں پر بہت اثر بھی ہوا لیکن تم نے تو میرا مان ہی توڑ دیا۔''

یہ کہہ کر میڈم فائزہ نے اپنے پرس میں سے لفافہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ فہد جو پہلے ہی بہت ہی پریشان تھا، لفافہ دیکھ کر ٹھنڈ کے موسم میں بھی پسینے میں شرابور ہو گیا۔

''اس لفافے میں موجود انگوٹھی میری ہی ہے۔ میں اپنی ایک سہیلی کے گھر سے واپسی پر راستے میں اپنے ایک شاگرد کی ماں سے ملی۔ انھوں نے مجھے اپنے گھر چائے کی دعوت دی۔ ان کا خلوص اور اصرار دیکھ کر میں انکار نہیں کر سکی۔ لیکن میں وہاں زیادہ دیر تک نہ رُکی۔ وہاں سے واپسی پر اس شاگرد کی ماں نے میرے ہاتھ بہت زیادہ چومے اور میرا

ہاتھ پکڑ کر دوبارہ آنے کا وعدہ لیا۔اسی کشمکش میں میری انگوٹھی وہاں گرگئی ۔انگوٹھی سے زیادہ میرے لیے اس بات کی اہمیت ہے کہ یہ انگوٹھی مجھے تحفے میں دی گئی تھی ۔ یہ انگوٹھی تمھیں راستے سے ملی ہوگی لیکن یہ بات میری سمجھ نہیں آرہی کہ تم چوروں کی طرح یہ لفافہ رات کو ہمارے گھر پھینک کر کیوں چلے گئے ۔کوئی تمھیں دیکھ لیتا تو تمھیں چور سمجھتا۔تمھیں دیوار پھلانگ کر اندر آنے کی ضرورت کیا تھی اور مجھے پتا ہے کہ یہ لفافہ رات کو دیر سے پھینکا گیا۔ کیوں کہ جب میں سونے سے پہلے وہاں سے گزری تو وہاں یہ لفافہ نہیں پڑا ہوا تھا۔صبح میں نے دیکھا کہ اُس جگہ پر لفافہ پڑا ہوا ہے۔تم سوچ رہے ہوگے کہ شاید رات کو میں نے تمھیں لفافہ پھینکتے ہوئے دیکھ لیا۔ایسی بات نہیں میں نے تمھاری لکھائی سے اسے پہچانا۔"

میڈم فائزہ کی بات سُن کر فہد کو احساس ہوا کہ اس نے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے ۔ پوری جماعت میں اس کی خوش خطی کی شہرت تھی اور بہت سے اساتذہ اس وجہ سے بھی اسے اچھا جانتے تھے ۔

" تم نے یہ کیسے سوچا کہ میں تمھاری لکھائی نہیں پہچانوں گی ۔آخر تم نے کیا سوچ کر انگوٹھی دینے کے لیے لفافے کا استعمال کیا اور وہ بھی چوروں کی طرح رات کو۔۔۔اُف میرا تو دماغ چکرا گیا۔ یہ سوچ سوچ کر کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تمھیں تو انگوٹھی کا لالچ بھی نہیں تھا۔تم نے خط میں یہاں تک لکھ دیا کہ انگوٹھی اگر آپ کی نہیں ہے تو اُسے اصل مالک تک پہنچادیں۔"

اس سے پہلے کہ میڈم فائزہ مزید کچھ کہتی فہد نے کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔

"میڈم وہ وہ وہ۔۔۔میرا کبوتر ہے اُس نے یہ پھینکا تھا۔آپ میرے ساتھ چلیں وہ خود آپ کو بتائے گا۔"

میڈم فائزہ جو پہلے ہی غصے کی وجہ سے اپنے آپ سے باہر تھیں فہد کی طرف سے کی گئی بات پر آگ بگولا ہوگئیں اور انھوں نے اُٹھ کر فہد کو زوردار تھپڑ رسید کیا اور ساتھ ہی فہد کو گھر سے نکل جانے کا کہا۔فہد جیسے ہی کمرے سے باہر نکلا تو میڈم فائزہ خود کلامی کے انداز میں اونچی آواز میں بڑبڑانے لگیں:

''اندازہ کرو آج کل کی نئی نسل کا۔استادوں کو بے وقوف بناتی ہے۔بڑا آیا بولنے والے کبوتر والا۔''

یہ جملہ کمرے میں داخل ہوتی ماسی بھاگاں کے کان میں بھی پڑ گیا۔

''فائزہ بی بی آپ نے شام کتنے بجے جانا ہے۔''

فائزہ کا جواب سُن کر ماسی بھاگاں شام کو دوبارہ آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔

(18)

حاجی رشید نے اپنے بیٹے کی شادی بہت دُھوم دھام سے کی۔ شادی پر کام کرنے والے تمام لوگوں کو طے شدہ رقم سے زیادہ پیسے دیے اور شادی کے دو چار روز بعد اُن تمام لوگوں کو دوبارہ اپنے گھر پر تحائف دینے کے لیے بُلا یا۔ ماسی بھا گاں جو شادی کے بعد اپنے حصے کے تحائف لینے نہ پہنچ سکی تھی آج دو ہفتوں کے بعد حاجی رشید کے گھر پہنچی۔ حاجی رشید کبوتروں کو دانہ ڈال رہے تھے۔ ماسی کو دیکھ کر وہ احترام سے کھڑے ہو گئے اور ماسی سے کہنے لگے:

''ماسی مجھے آپ کے بیٹے کی بیماری کا کل ہی پتا چلا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج کل میں آپ کے بیٹے کا حال پوچھنے آپ کے گھر آؤں گا۔ ساتھ ہی آپ کے لیے کچھ تحائف بھی لانے کا ارادہ تھا جو آپ کی امانت ہے۔ میں یہ سمجھا کہ آپ کے نہ آنے کی وجہ کوئی مصروفیت ہو گی لیکن کل ہی مجھے پتا چلا کہ آپ کے بیٹے کو بخار ہے۔''

''بہت شکریہ حاجی صاحب آپ بڑا خیال رکھتے ہیں۔ ورنہ گھروں میں کام کرنے والوں کو کون پوچھتا ہے۔ آپ نے پہلے بھی مجھے کافی پیسے دیے۔ میں آپ کے لیے ہمیشہ دُعا کرتی ہوں۔''

حاجی رشید ماسی کے لیے تحائف لینے اندر چلے گئے اور ماسی بھا گاں کبوتروں کے پاس

بیٹھ گئی۔ حاجی رشید جب تحائف لے کر آئے تو ماسی بھا گاں کبوتروں کی طرف دیکھ کر بولی:

''حاجی صاحب آپ کے کبوتر بہت خوبصورت ہیں۔''

لاشعوری طور پر ماسی بھا گاں کی زبان سے یہ بات نکل گئی:

''حاجی صاحب کیا یہ بولتے بھی ہیں۔''

پھر ماسی بھا گاں خود ہی اپنی بات پر ہنسنے لگی۔

''دیکھیں میں بھی کیسی پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہوں۔''

یہ کہہ کر ماسی بھا گاں دروازے کی طرف چل پڑی۔ ماسی بھا گاں کی بات سُن کر حاجی رشید کافی دیر ایک ہی جگہ مبہوت کھڑے رہے۔ انھوں نے جو کچھ سُنا وہ اُن کے لیے زندگی کی بڑی خوش خبری کی طرح تھا۔ ضرور ماسی بھا گاں نے یہ بات کسی وجہ سے کی ہے۔ بلاوجہ وہ ایسی بات بھلا کیوں کرے گی۔ ساتھ ہی حاجی رشید نے فون نکال کر عدیل اور حمزہ کو فون ملانا شروع کر دیا۔

میڈم فائزہ فہد کے ساتھ دن کو ہونے والے واقعے کو سوچ کر بہت پریشان ہو رہی تھی۔ انھیں زیادہ افسوس اس بات پر تھا کہ انھوں نے فہد کو تھپڑ کیوں مارا۔ پھر وہ سوچتیں کہ فہد نے بھی تو بہت غلط بات کی تھی۔ اُسے سچ بتانا چاہیے تھا لیکن آخر وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ چاہے کچھ بھی تھا اُنھیں اس طرح کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ بار بار یہ بات سوچتیں کہ انھوں نے تو ہمیشہ بچوں کو پیار سے سمجھایا کبھی اُن پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ انھی کی غلطی تھی۔ میڈم فائزہ نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ اس بار جب وہ گاؤں جائیں گی تو وہ فہد سے اس واقعے کی معذرت کریں گی اور ساتھ ہی اُس سے کوئی اور سوال نہیں کریں گی۔

حاجی رشید نے عدیل اور حمزہ کو فون کر کے فوراً اپنے پاس آنے کو کہا۔ عدیل اور حمزہ حاجی

رشید کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ حاجی صاحب نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ عدیل کا خیال تھا کہ انھیں کوئی ذاتی کام ہوگا۔ حمزہ کے خیال میں انھوں نے پھر کوئی مافوق الفطرت بات کرنی ہوگی۔

اسی بحث مباحثے میں وہ حاجی رشید کے گھر پہنچے۔ حاجی رشید دونوں کے ساتھ بہت گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے۔

''آج مجھے اُس راز کا پتا چل گیا جو اک طرح سے میری زندگی کا مقصد تھا۔''

''کیا ہوا حاجی صاحب؟'' حمزہ نے پوچھا۔

''اس بولنے والے کبوتر کا سراغ مل گیا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' عدیل اور حمزہ دونوں نے بہ یک وقت حاجی صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ماسی بھاگاں کو پتا ہے کہ وہ کبوتر کس کے پاس ہے۔''

''وہ کیسے حاجی صاحب؟'' عدیل نے پوچھا۔

''اُس نے میرے کبوتروں کے پاس کھڑے ہو کر پوچھا ہے کہ حاجی صاحب! کیا یہ کبوتر بولتے ہیں؟''

''اور کیا کہا؟'' عدیل نے دوبارہ سوال کیا۔

''اور کیا کہنا ہے بس یہی بات پوچھی اور خود اپنی بات کا مذاق اُڑایا اور باہر نکل گئی۔ لیکن مجھے پتا ہے اُس نے اپنی بات کا مذاق خود اس لیے اُڑایا کہ وہ میرا دھیان اس بات سے ہٹانا چاہتی تھی لیکن میں اب سارے معاملے کی تہہ تک جاؤں گا تم دیکھنا کہ وہ بولنے والا کبوتر دوبارہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔''

''نہیں نہیں حاجی صاحب آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ہم خود اب اس معاملے کی تہہ تک جائیں گے ۔ ہمیں کچھ دن کی مہلت دیں ۔ اب اجازت دیں ہم نے ایک ذاتی کام کے سلسلے میں کہیں جانا ہے ۔'' یہ کہہ کر حمزہ نے حاجی صاحب سے اجازت چاہی ۔

باہر نکل کر حمزہ نے عدیل کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ کیا ضرورت تھی تمھیں یہ بات کرنے کی کہ ہم اس کبوتر کا سراغ لگائیں گے ۔ کہاں سے لگائیں گے؟ کیسے لگائیں گے سراغ ؟

'''حمزہ میری بات پر غصہ مت کھاؤ ۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے یہ بات سوچو ۔ اگر ہم حاجی صاحب کے سپرد یہ معاملہ کر دیتے تو وہ کوئی نہ کوئی مسئلہ بنا دیتے اور صاف بات ہے یہ معاملہ جادو کا ہے ۔ ہمیں دوبارہ پیر صاحب کے پاس جانا چاہیے اور جہاں تک ماسی بھاگاں کی بات ہے تو اُس سے تو میں آج ہی پتا کروالوں گا ۔''

''ماسی بھاگاں میرے بھائی کے گھر کام کرتی ہے ۔ فکر نہ کرو ۔ میرے بھائی اور بھابھی باتوں باتوں میں اس طرح پوچھ لیں گے کہ ماسی بھاگاں کو اس بات کا پتا ہی نہیں چلے گا ۔''

عدیل کی باتیں سُن کر حمزہ نے عدیل کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

''یار عدیل تم نے تو بہت زبردست بات کی ۔ حاجی رشید پر واقعی ہی جادو کا اثر زیادہ ہوگیا ہے ۔ اچھا ہوا کہ تم نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کچھ دن کی مہلت لے لی ۔ بس ہمیں ایک دو دنوں کے اندر پیر صاحب کے لیے پیسے اکٹھے کرنے چاہییں ۔ ہماری بھی تو غلطی ہے ۔ ہمیں دوبارہ پیر صاحب کے پاس جانا چاہیے تھا ۔ چلو تم شام تک حاجی صاحب کی تسلی کے لیے ماسی بھاگاں سے یہ بات پتا کروالینا کہ اس نے حاجی رشید سے یہ بات کیوں کی ۔ مجھے یقین ہے ماسی بھاگاں نے یہ بات نہیں کی ہوگی ۔ یہ حاجی رشید کا وہم ہوگا ۔ اچھا اب میں چلتا ہوں ۔ شام کو یا کل صبح دوبارہ ملاقات ہوگی ۔''

شام کو عدیل اور حمزہ اس بات پر زیادہ نہیں تو تھوڑے بہت حیران ضرور ہو رہے تھے جو عدیل کی بھابھی اور بھائی کے وسیلے سے پتا چلی تھی۔

''یار عدیل! کہیں ماسی بھاگاں نے تمھارے بھائی اور بھابھی سے مذاق ہی نہ کیا ہو۔ میرا دل نہیں مانتا کہ میڈم فائزہ جیسی خاتون غصے میں بھی ایسی بات کر سکتی ہے اور انھیں تو طنز کرنے کی بھی عادت نہیں اور فہد جیسے سنجیدہ اور لائق بچے کے ساتھ ایسی بات کرنا میری سمجھ سے بالا تر ہے۔''

''نہیں یار حمزہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ماسی بھاگاں کو کیا ضرورت پڑی تھی جھوٹ بولنے کی اور ویسے بھی میرے بھائی اور بھابھی کا ماسی بھاگاں کے ساتھ بہت پرانا تعلق ہے۔ وہ کبھی اُن سے جھوٹ نہیں بول سکتی اور ویسے بھی ماسی بھاگاں کو سب جانتے ہیں کہ اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔''

''تو پھر کیا کریں؟''

''ایک طریقہ ہے۔'' اچانک حمزہ نے کہا۔

''وہ کیا؟'' عدیل نے پوچھا۔

''سرمد بتائے گا ہمیں اندر کی بات۔''

اگلے دن شام کو عدیل اور حمزہ موروں کے پر لیے کلر کہار سے لوٹ رہے تھے۔ سرمد کو مور کے پروں کا بہت شوق تھا۔ پہلے تو مور کے پَر بہت آسانی سے مل جاتے تھے کیوں کہ کلر کہار کی جھیل کے آس پاس بہت زیادہ مور تھے لیکن اب جنگلوں کی کٹائی اور شکار کی وجہ سے بہت کم مور رہ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے پَر حاصل کرنے میں انھیں خاصی دشواری ہوئی۔

عدیل نے سرمد کے گھر کی گھنٹی بجائی۔ سرمد باہر آیا۔ سلام دعا کے بعد عدیل نے کہا ہم

کلر کہار گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر ہم نے سوچا تمھارے لیے مور کے پر لیتے جائیں۔ سرمد بہت زیادہ خوش ہوا اور عدیل اور حمزہ کو اندر بیٹھنے کو کہا۔ عدیل اور حمزہ طے شدہ منصوبے کے تحت اندر نہ بیٹھے اور سرمد کو تھوڑی دیر باہر گلی میں چلنے کو کہا۔ جب وہ فہد کے گھر کے سامنے سے گزرے تو عدیل نے سرمد سے پوچھا:

''یار یہ فہد آج کل کہاں ہوتا ہے، بہت کم نظر آتا ہے۔ تمھیں تو خبر ہوگی تمھارا تو بہت قریبی دوست ہے۔''

''ادھر ہی ہے بس آج کل ذرا کم ہی باہر نکلتا ہے۔ ایک تو وہ پڑھائی میں لگا رہتا ہے۔ دوسرا اس نے ایک کبوتر پال رکھا ہے۔ اُس کے ساتھ ٹائم پاس کرتا ہے۔''

''ایک کبوتر کیسے پال رکھا ہے۔'' حمزہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بس یار ایک ہی پال رکھا ہے۔ اکیلے ہونے کے باوجود وہ کہیں نہیں جاتا اور اس بات کا بھی بہت کم لوگوں کو پتا ہے۔ میں نے فہد سے یہی کہا کہ اس کو کسی کو دے دو یا اس کے ساتھ کوئی اور کبوتر بھی رکھو لیکن فہد نے میری بات نہیں مانی۔ مجھے بھی اس کبوتر کے بارے میں کچھ ہفتے پہلے ہی پتا چلا ہے۔ جب میں فہد کے چھت والے کمرے میں گیا۔ شاید اس لیے اس نے مجھ سے پہلے بات نہیں کی کہ اسے معلوم ہے کہ میں پرندوں کو قید کرنے کے خلاف ہوں۔ خلاف تو فہد بھی بہت ہے لیکن پتا نہیں کیوں اُس نے یہ پرندہ قید کر رکھا ہے۔'' سرمد کی یہ بات سن کر عدیل اور حمزہ نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔

یار عدیل اب کیا کریں؟ حمزہ نے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''چلو یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ فہد نے کبوتر پالا ہوا ہے لیکن اس بات سے یہ تصدیق نہیں ہوتی کہ حاجی رشید جو بات کر رہے ہیں وہ سچ ہے۔''

''یار پاگل ہو گئے ہو عدیل۔ حاجی رشید والی بات کیسے سچ ہو سکتی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ماسی بھاگاں والی بات سچ ہے۔ فہد نے میڈم فائزہ سے ضرور ایسا کچھ کہا ہو گا ورنہ میڈم سے ایسی توقع نہیں کہ وہ ایسی بات کریں۔''

''لیکن یہ بتاؤ اب کیا کیا جائے؟'' حمزہ نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے حاجی صاحب کو یہ بات بتا دیتے ہیں۔ اس سے اتنا ضرور ہو گا کہ ان کا ماسی بھاگاں والا وہم دُور ہو جائے گا۔ ادھر ہم کچھ پیسے اکٹھے کر کے پیر صاحب کے پاس جائیں گے تاکہ آئندہ حاجی صاحب کو جادو کی وجہ سے ایسے وہم نہ ہوں۔''

''ہاں یار یہ ٹھیک ہے۔ ہمیں ایسے ہی کرنا چاہیے۔''

تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں حاجی رشید کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ عدیل نے حاجی رشید کو بتایا کہ انھوں نے ماسی بھاگاں والی بات کا سُراغ لگا لیا ہے۔ وہ بات ماسی بھاگاں نے فہد اور میڈم فائزہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کے دوران سُنی اور یہ بھی سچ ہے کہ فہد نے کبوتر پال رکھا ہے۔

''اکیلا کبوتر!'' حاجی رشید نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''جی حاجی صاحب اکیلا کبوتر۔ لیکن اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے؟ وہ بچہ ہے اس کے ہاتھ کہیں سے اکیلا کبوتر لگ گیا ہو گا۔ وہ کوئی باقاعدہ کبوتر پرور تھوڑی ہے۔''

''میں سمجھ گیا یہ وہی کبوتر ہے۔'' حاجی رشید منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں حاجی صاحب؟''

''آپ لوگوں کو تو معلوم ہی ہے، میری زندگی کا ایک بڑا حصہ کبوتر پروری میں گزرا ہے۔ کوئی کبوتر اکیلا نہیں رہتا اور کسی انسان کے پاس اکیلے کبوتر کے رہنے کا تو سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ یہ ضرور وہی پُر اسرار کبوتر ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ وہی کبوتر ہے۔"

عدیل اور حمزہ حاجی رشید کی بات سُن کر بہت پریشان ہوئے لیکن اگلے ہی لمحے حاجی رشید نے ایک ایسی بات کہی کہ اُن کی پریشانی کئی گنا بڑھ گئی۔

"میں وہ کبوتر جلد از جلد حاصل کروں گا۔" حاجی رشید نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"حاجی صاحب کیسے حاصل کریں گے۔" حمزہ نے پوچھا۔

"بس کرلوں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھ کچھ بھی کرنا پڑے۔"

عدیل نے حاجی رشید سے مزید کوئی بحث کرنے کے بجائے یہ سوال کر ڈالا۔

"فرض کریں اگر یہ وہ کبوتر نہ ہوا تو۔"

"تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کبوتر والے قصے کا پھر کبھی ذکر نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے حاجی صاحب میں وہ کبوتر آپ کے سامنے لاؤں گا اور ثابت کروں گا کہ یہ وہ کبوتر نہیں جس کے بارے میں آپ کو وہم ہو رہا ہے کہ وہ انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔ لیکن اس کے بعد آپ کو بھی وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ کبھی اس کبوتر والے قصے کو دوبارہ نہیں چھیڑیں گے۔" عدیل کی اس بات کے بعد دونوں نے حاجی رشید سے اجازت چاہی۔

"یار عدیل اب کیا کریں گے؟" حمزہ نے عدیل سے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"تمھیں اس بات کا ذمہ نہیں لینا چاہیے تھا۔ لیکن ایک لحاظ سے اچھا بھی ہے کہ اگر ہم وہ کبوتر حاجی صاحب کے سامنے لے جائیں تو اُن کا وہم دور ہو جائے گا۔ اور یہ اس لحاظ سے بھی اچھا ہے کہ اگر حاجی صاحب خود اس کبوتر کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو شاید کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔"

"ہاں ٹھیک کہا۔" حمزہ نے عدیل کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''تمھاری باتیں ٹھیک ہیں عدیل لیکن اصل مسئلہ تب ختم ہوگا جب ہم حاجی صاحب پر ہونے والے جادو کی کاٹ پیر صاحب سے کروالیں گے۔ایسا نہ کیا گیا تو کل کوئی اور وہم حاجی صاحب کو گھیر لے گا۔''

''چلو بعد کی تو بعد میں دیکھیں گے۔فی الحال اس کبوتر والے وہم سے تو حاجی صاحب کی جان چھڑائیں۔''عدیل نے کہا۔

''لیکن ہم کریں گے کیا؟ اُس کبوتر کو حاصل کیسے کریں گے؟''حمزہ نے پوچھا۔

''اس کا حل ہے میرے پاس۔''عدیل نے کہا۔''جمعے کو فہد کے کزن کی شادی ہو رہی ہے اسلام آباد میں۔فہد اس شادی میں شرکت کے لیے اسلام آباد ضرور جائے گا۔میں جمعے کی رات کسی طریقے سے فہد کے کمرے تک،شمال والی کھڑکی کے راستے پہنچ جاؤں گا۔''

''جمعے کی رات ہم وہ کبوتر حاجی صاحب کو دکھائیں گئے اور ہفتہ کی رات کو میں کبوتر واپس اُس کے کمرے میں چھوڑ آؤں گا۔اتوار کی رات فہد جب شادی سے واپس آئے گا تو اسے پتا ہی نہیں چلے گا کہ کبوتر ایک رات کے لیے غائب رہا۔''

''منصوبہ تو تمھارا ٹھیک ہے لیکن دو باتوں کا جواب مجھے دو۔پہلی بات یہ کہ بنا اجازت کسی کے گھر اس طرح گھسنا کیا ٹھیک بات ہے؟ یہ تو چوری کے زمرے میں آتا ہے۔دوسرا یہ کہ اگر کسی نے تمھیں دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟''حمزہ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''دیکھو حمزہ جہاں تک چوری کی بات ہے میں وہاں کوئی چوری کرنے نہیں جا رہا اور مانا کہ یہ بہت غیر اخلاقی حرکت ہے لیکن کیا کیا جائے؟ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو نہ جانے حاجی صاحب کیا کریں گے اور جہاں تک کسی کے دیکھنے کی بات ہے تو وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔کوئی نہیں دیکھ پائے گا۔اگر کسی نے دیکھ لیا تو میں اپنے ایک قریبی عزیز کا

نام لے لوں گا کہ میں اُن کی چھت پر کام سے آیا ہوں، جن کی چھت فہد لوگوں کے چھت کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔''

(19)

عدیل نے ایسی مہارت سے فہد کے کمرے کی کھڑکی کھول لی تھی کہ ذرا آواز بھی نہ پیدا ہو پائی۔ گڈو جو گہری نیند میں تھا اُسے کچھ کھٹکا تو ہوا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ عدیل نے کچھ اس طرح گڈو کی گردن دبوچی کہ آواز تو دُور کی بات گڈو کا سانس لینا بھی مشکل ہو گیا۔ گڈو نے سوچا کہ وہ حاجی رشید کی طرح عدیل کو بھی آواز نکال کر ڈرا دے گا لیکن عدیل نے کچھ اس طرح سے گردن اور منہ دبوچا ہوا تھا کہ وہ ایسا نہ کر پایا۔ تھوڑی دیر بعد گڈو ایک پنجرے میں بند ایک میز پر دھرا ہوا تھا اور اُس میز کے گرد حاجی رشید، حمزہ اور عدیل بیٹھے ہوئے تھے۔

''حاجی صاحب آپ کل تک تسلی کر لیں کہ یہ کبوتر بولتا ہے یا نہیں۔ کل رات میں آ کر اسے لے جاؤں گا۔'' حاجی رشید جو کبوتر کو دیکھ کر سکتے کی حالت میں تھے۔ پہلی مرتبہ بولے۔

''کل تک بات نہیں جائے گی۔ عدیل یہ بات میں ابھی ثابت کر دیتا ہوں۔ یہ وہی کبوتر ہے۔ بالکل وہی۔ تم کیا جانو اس کبوتر میں کتنی پُراسرار نشانیاں ہیں۔''

یہ کہہ کر حاجی رشید اُٹھے اور کچھ دیر بعد جب وہ واپس لوٹے تو اُن کے ہاتھ میں کھولتے پانی کی ایک کیتلی تھی۔

''دیکھنا یہ ابھی بولتا ہے۔'' یہ کہہ کر حاجی رشید نے گرم پانی کی کیتلی گڈو کے پنجرے کی طرف کچھ اس انداز سے بڑھائی کہ جیسے وہ گرم پانی گڈو پر انڈیلنے لگے ہوں۔ اچانک گڈو

بلبلا اٹھا۔

''حاجی صاحب یہ ظلم نہ کریں۔'' گڈُو کی آواز سُن کر عدیل اور حمزہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور انھوں نے اس طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے یہ آواز اُن کا وہم ہو۔

''ایک دفعہ پھر بولو۔'' حاجی رشید نے کہا۔''اور ان کا یہ شک دُور کرو کہ میں پاگل ہوں۔''

''حاجی صاحب آپ پاگل نہیں ہیں۔آپ نے ہی پہلے مجھے پکڑا تھا اور میرے بولنے پر مجھے چھوڑ دیا تھا۔'' گڈو نے جواب دیا۔

''بے فکر رہو پراسرار کبوتر۔میں تم پر کوئی ظلم نہیں کروں گا۔ یہ گرم پانی بھی صرف میں نے تمھیں ڈرانے کے لیے لایا تھا۔ میں بھلا کسی پرندے پر کھولتا پانی کیسے پھینک سکتا ہوں۔ میں تو خود پرندوں سے بہت محبت کرتا ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ تم اپنی کہانی مجھے سناؤ۔''

حاجی رشید کی یہ محبت بھری باتیں سُن کر گڈو کا دل موم ہو گیا اور اُس نے شروع سے آخر تک اپنی کہانی سنا دی۔

عدیل اور حمزہ جن کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے،یقین ہی نہیں کر پا رہے تھے۔

''کیا واقعی تم پولیو ورکر کی مدد کے لیے پیسے اُٹھا کر لائے۔'' ان میں سے ایک نے سوال کیا۔حاجی رشید گڈو کے بولنے سے پہلے ہی کہنے لگے:

''تم لوگ کیسی عجیب باتیں کرتے ہو۔اگر اس میں اتنی پراسرار باتیں ہیں تو یہ تو ایک معمولی سا کام ہے۔

گڈو اور فہد کے انسانیت کی خدمت کے جذبے کو دیکھ کر حاجی رشید، عدیل اور حمزہ بہت متاثر ہوئے۔حاجی رشید نے گڈو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''گڈو تم بالکل کسی قسم کی فکر نہ کرو۔ہم اس نیک کام میں تمھارے اور فہد کے ساتھ ہیں۔

ہم تمھارا راز بھی کسی پر ظاہر ہونے دیں گے۔ بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم یہاں آنے کے واقعے کا فہد سے بھی تذکرہ نہ کرو۔ مجھے خدشہ ہے کہ اس سے، اس کا انسانیت کی خدمت کا جذبہ ماند پڑ جائے گا اور وہ اس فکر میں کھویا رہے گا کہ یہ بات مزید لوگوں کو پتا نہ چلے۔"

گڈو کو حاجی رشید کی ساری باتیں بہت پسند آئیں۔ اُس نے حاجی رشید، حمزہ اور عدیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آپ لوگوں کا بہت شکریہ۔ اب اس کے بعد جو بھی اچھا کام ہوگا آپ تینوں بھی ایک طرح سے اس میں حصہ دار ہوں گے۔"

"گڈو یار ہمارے لیے کہیں سے پیسے اٹھا کر لاؤ۔" عدیل نے گڈو سے فرمائش کی۔

حاجی رشید نے عدیل کو اس فرمائش پر ڈانٹا اور کہا:

"کیا ضرورت ہے اس طرح کی بے تکی فرمائش کرنے کی۔"

اس سے پہلے کہ عدیل کچھ کہتا حمزہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"حاجی صاحب خیر ہے۔ ایک مرتبہ گڈو کو ہمارے لیے پیسے لانے دیں۔"

اب تو گڈو کی مرضی ہے کہ وہ آپ لوگوں کو پیسے لا کر دیتا ہے یا نہیں۔ گڈو جو کہ پہلے ہی اُن سے متاثر ہو چکا تھا۔ اس نے اس شرط پر پیسے اُٹھانے کی حامی بھر لی کہ وہ واپس اسی گھر میں پھینکوا دیے جائیں گے۔ حاجی رشید لوگوں نے گڈو کی یہ بات مان لی۔

"ٹھیک ہے گڈو تم کل پیسے اُٹھا کر لاؤ اور شام کو واپس اُس گھر میں پھینک آنا۔ ویسے تو مجھے عدیل اور حمزہ کی اس فرمائش کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا لیکن پھر بھی چلو اِن کی فرمائش پوری کر دو۔"

"ٹھیک ہے حاجی صاحب یہ کوئی اتنا بڑا کام نہیں ہے۔ میں کل پیسے اُٹھا کر لاؤں گا اور

کچھ دیر بعد اُن پیسوں کو اُس گھر میں واپس پھینک آؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب تو بہت رات ہوگئی ہے صبح پیسے اُٹھانے کے لیے نکلنا۔''

حاجی رشید نے گڈو کو مشورہ دیا جو اس نے مان لیا۔ اگلی صبح گڈو پیسوں کے لیے نکلا تو اُسے کہیں پیسے نہ ملے۔ وہ فہد کے گاؤں کے علاوہ اور بھی بہت سے دیہاتوں میں گیا لیکن اُسے کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر تھک ہار کر فہد کے گاؤں واپس آ گیا۔ شام کا وقت ہو چلا تھا۔ گڈو کو بہت پیاس لگ رہی تھی۔

## (20)

خالہ محبوب اپنے محلے کی ہر دل عزیز خاتون تھیں۔ محلے کے تمام لوگ اُنہیں خالہ محبوب ہی بلاتے تھے۔ وہ بچے جو اُن کے پوتوں پوتیوں کی عمر کے تھے وہ بھی اُنھیں خالہ محبوب کہہ کر بلاتے تھے۔ خالہ محبوب پرندوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اُن کی چھت پر ہمیشہ دانہ اور پانی رکھا رہتا۔ گڈو نے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ وہاں سے پانی پیا تھا۔ اُس محلے میں صرف اُسی چھت پر پرندوں کے لیے پانی رکھا ہوا تھا۔ خالہ محبوب آج اپنی بیماری کا چیک اَپ کرانے راولپنڈی گئی ہوئی تھیں۔ پیچھے سے اُن کا نواسہ روحیل ایئرگن لے کر اُن کے گھر پہنچا۔ ایئرگن جسے مقامی زبان میں چھروں والی بندوق بھی کہتے ہیں۔ روحیل کے ماموں نے روحیل کو دیکھتے ہی غصے سے کہا:

’’کہاں سے لی تم نے یہ گن اور اسے ہمارے گھر کیوں لائے ہو۔ تمھاری نانی ہر کسی کو پرندوں سے محبت کی تلقین کرتی ہیں اور تم یہ گن لے کر ہمارے ہی گھر آ گئے۔ تمھاری نانی یہاں ہوتیں تو تمھیں بتاتی۔ وہ تھوڑی دیر میں آنے والی ہوں گی۔‘‘

’’ماموں یہ گن میں نے امتحان میں پوزیشن لینے پر ابو سے ضد کر کے لی ہے۔‘‘

’’جو بھی ہے تم یہ گن لے یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر تمھاری نانی نے تمھیں دیکھ لیا تو نہ صرف تمھاری بلکہ ہم سب کی خیر نہیں۔‘‘

اُس کے ماموں یہ بات کر ہی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ جب وہ فون سننے کے لیے نیچے گئے تو روحیل گن لے کر دروازے سے باہر نکلنے کے بجائے چھت پر چڑھ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک کبوتر پانی کے برتن کے پاس پانی پینے کے لیے بیٹھ رہا ہے۔ گڈو کے بیٹھے ہی روحیل نے اس کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ چھرا بجائے گڈو کے لگنے کے ساتھ رکھے دانوں والے برتن کو جا لگا۔ گڈو جو سارے دن کا تھکا ہارا تھا اُس کے اعصاب پر یہ پریشانی بھی سوار تھی کہ وہ پیسے نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔ وہ اسی پریشانی میں مبتلا تھا کہ اس کے قریب ایک دھماکا سا ہوا۔ جس نے اس کا سر چکرا دیا۔

اس نے دیکھا روحیل دوبارہ اُس کا نشانہ لے رہا تھا۔ گڈو نے اُڑان بھری لیکن فوراً ہی وہ چکرا کر ایک گھر میں گرا اور وہیں بے ہوش ہو گیا۔ جب اُس کی آنکھ کھلی تو مغرب کے قریب کا وقت تھا۔ اُس نے خود کو ایک انگیٹھی کے گرد بنی ہوئی چھوٹی سی دیوار کے پاس گرا ہوا پایا۔ انگیٹھی میں کچھ لکڑیاں سُلگ رہی تھیں۔ صحن میں کافی دھواں بھرا ہوا تھا۔ گڈو نے سوچا شاید اسی وجہ سے کسی نے اُسے دیکھا نہیں۔ گڈو نے جیسے ہی اُڑان بھری اُس نے دیکھا کہ انگیٹھی کی دیوار پر کوئی نوٹ رکھا ہے۔ گڈو نے فوراً وہ نوٹ اُٹھایا اور حاجی رشید کے گھر کی طرف پرواز کر گیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ حاجی رشید، عدیل اور حمزہ اس کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ گڈو کو دیکھ کر حاجی رشید نے کہا:

''دیکھا میں نے کہا تھا ناں کہ گڈو واپس آئے گا۔ تم لوگ خواہ مخواہ میں شک کر رہے تھے کہ گڈو واپس نہیں آئے گا۔ پرندے کبھی جھوٹی بات نہیں کرتے۔ یہ ہم انسان ہی ہیں جو جھوٹی باتیں اور جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔''

''واقعی گڈو پانچ ہزار کا نوٹ لایا ہے۔'' عدیل نے گڈو کی چونچ سے پیسے پکڑتے

ہوئے کہا۔گڈوکوخود اندازہ نہیں تھا کہ وہ پانچ ہزار کا نوٹ اُٹھالایا ہے۔اُن لوگوں کو اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ گڈو کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔

''میں یہ پیسے واپس اُس گھر میں پھینک کر آنا چاہتا ہوں۔'' گڈو نے نحیف سی آواز میں کہا۔

''ابھی نہیں صبح پھینک دینا'' حاجی رشید نے گڈو کو نڈھال حالت میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں حاجی صاحب میں ابھی پھینکوں گا۔ یہ کافی زیادہ پیسے ہیں اور جس گھر سے اُٹھائے ہیں وہ بہت غریب گھر لگ رہا تھا۔وہ لوگ پریشان ہوں گے۔''

گڈو کی یہ بات سُن کر عدیل کہنے لگا:

''نہیں گڈو تم آرام کرو ویسے بھی فہد نے کل رات شادی سے واپس آجانا ہے اور یہ پیسے مجھے دے دو میں اُس گھر میں پھینک دوں گا جس گھر سے تم نے اُٹھائے تھے۔''

گڈو کی طرف سے گھر کی نشان دہی کرنے پر حاجی رشید لوگ سمجھ گئے کہ یہ گھر ماسی بھاگاں کا ہے۔

''عدیل تم جاتے ہوئے یہ پیسے ماسی بھاگاں کے گھر پھینک دینا بلکہ اُس کا دروازہ کھٹکھٹا کر اسے دے دینا اور کہنا کہ یہ باہر گلی سے ملے ہیں۔وہ سمجھے گی کہ ہوا سے اُڑ کر باہر چلے گئے ہوں گے۔''

عدیل نے پیسے اُٹھائے اور جانے کی اجازت چاہی۔حمزہ بھی حاجی رشید اور گڈو سے اجازت لے کر اُس کے ساتھ ہولیا۔جاتے ہوئے گڈو نے اُن سے کہا وہ ان سے ملتا رہے گا۔ وہ کبھی کبھار حاجی رشید کی چھت پر آیا کرے گا۔اگلی صبح جب گڈو نے فہد کے گھر کی طرف جانے کے لیے اڑان بھری تو اُس نے دیکھا کہ جس گھر سے اُس نے پیسے اٹھائے تھے

وہاں لوگوں کا ہجوم ہے اور رونے کی آوازیں بھی آرہی ہیں۔گڈو اُس گھر کی دیوار پر جا بیٹھا۔ دو عورتیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

''بے چاری کا بیمار بیٹا فوت ہوگیا۔کئی مہینوں سے بیمار تھا۔کل شام اُس کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی۔بے چاری پہلے تو کافی گھروں سے مانگتی رہی کسی نے اس کو پیسے نہ دیے۔ایک گھر سے پیسے ملے وہ اس نے انگیٹھی کے پاس رکھے اور اندر بیٹے کے پاس گئی لیکن جیسے ہی باہر آئی وہ پیسے وہاں سے غائب تھے۔ماسی بھاگاں نے اور کسی سے پیسے مانگنے کے بجائے ساری رات وہ پیسے ڈھونڈنے میں گزار دی اور صبح کے قریب اُس کا بیٹا فوت ہوگیا۔''

یہ باتیں سُن کر گڈو کا کلیجہ پھٹ سا گیا اور اُس نے خود کو ماسی بھاگاں کے بیٹے کا قاتل سمجھنا شروع کر دیا۔گڈو نے اُڑان بھری لیکن اس مرتبہ اُس کا رُخ فہد کے گھر کے بجائے کٹاس کے مندروں کی طرف تھا۔وہاں پہنچ کر گڈو سب سے بڑے مندر''ست گھرے'' پر بیٹھ گیا اور رونے لگا۔گڈو سمجھ گیا کہ عدیل نے وہ پیسے رات کو ماسی بھاگاں کو نہیں دیے۔لیکن اس کے باوجود گڈو خود کو قتل کا ذمہ دار سمجھا۔اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب انسانوں کے بیچ نہیں رہے گا۔انسانیت کی خدمت کے لیے وہ کام تو کرے گا لیکن انسانوں کے بیچ نہیں رہے گا۔اسی اثنا میں شام ہوگئی۔

گڈو نے سوچا کہ وہ اب آخری بار فہد کے گاؤں اور گھر کی طرف پرواز کرے گا اور آخری مرتبہ فہد کے گاؤں اور فہد کے گھر کو دیکھے گا اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔اندھیرا گہرا ہونا شروع ہوگیا تھا۔

پاکستان بھارت سے کرکٹ کی چمپیئن ٹرافی جیت چکا تھا۔تمام علاقے میں جشن کا ساسماں تھا۔تمام دیہاتوں سے لوگ ٹولیوں کی شکل میں فہد کے گاؤں کی طرف آرہے تھے

تا کہ اکٹھے ہو کر وہاں سے مین چوک کی طرف جایا جائے اور وہاں پر جشن منایا جائے۔ کچھ لوگوں نے ہوائی فائرنگ بھی شروع کر دی۔ گڈو جو کہ آخری بار فہد کے گاؤں کی فضا میں پرواز کرنے کے لیے آیا تھا، ابھی اس کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہوا میں محو پرواز تھا کہ ایک گولی اُس کے پروں کو چھوتے ہوئے گزر گئی اور وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا اور سڑک پر گر کر زخمی ہو گیا۔ جلوس نے گڈو کو اپنے پیروں تلے کُچل ڈالا۔ گڈو کو کُچلنے والے پاؤں میں ایک پاؤں پولیو ورکر کے بھائی کا بھی تھا۔

کٹاس کے خشک تالاب میں اچانک پانی آ گیا لیکن یہ پانی نہ تو آسمان سے بارش کی صورت میں اترا تھا اور نہ زمین سے کسی چشمے کی صورت میں پھوٹا تھا۔ یہ گڈو کے وہ آنسو تھے جو اُس نے کٹاس راج میں ''ست گھرے'' کے مندر پر بیٹھ کر انسان کے انسانوں اور دوسرے جانداروں پر ظلم کے غم میں بہائے تھے۔

☆☆☆